اگست 1998ء ربیع الثانی 1419ھ

اللہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

اصلاح انسانیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ



نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اگست 1998ء ربیع الثانی 1419ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی ، ایم محمد اکرم

پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب

ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق

سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری

مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ________ -/12 روپے

سالانہ فنڈ ________ -/120 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ: Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ: Ph: 260734

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

برادران محترم! کسی بھی میدان اور شعبے میں ترقی اور کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب اس ادارہ کے لوگ تمام امور کو اہمیت دیں اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہوں۔ اگر جوش و عمل کا فقدان ہو تو خواہ ادارہ بظاہر درست نظر آ رہا ہو در حقیقت اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ ملک پاکستان کو ہی دیکھ لیں ہر قسم کی نعمتوں اور وسائل سے مالا مال یہ ملک محض ہماری کوتاہی اور بے عملی کے سبب اس وقت نازک ترین دور سے گذر رہا ہے۔ جاپان نے 45ء کی تباہی پہ ٹسوے نہیں بہائے بلکہ نئے عزم اور جوش سے متحد ہو کر کام کیا اور آج ہم شاہد ہیں کہ امریکہ جیسی طاقتور قوم بھی جاپان کے سامنے سرنگوں ہے۔

کوئی بھی قوم یا جماعت اس وقت تک اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کا ہر ہر فرد سنجیدگی سے جماعت کے قواعد پہ عمل نہ کرے۔ دراصل افراد کی ہمتیں اور کاوشیں ہی کسی تحریک کو زندگی اور انقلابی صورت عطا کرتی ہیں۔ فقط ایک شخص دنیا کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ معاشرہ میں کسی بھی مثبت تبدیلی کا انحصار اس کے افراد کی مسلسل جدوجہد اور محنت پہ ہے۔ انقلابات دنوں میں نہیں آیا کرتے بلکہ اس کے پیچھے بہت سے لوگوں کی قربانیوں کا ثمر پوشیدہ ہوتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ آج ہمیں کسی خمینی جیسی شخصیت کی ضرورت ہے دراصل وہ حقائق سے روپوشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو انقلاب ایران کے پس پردہ بھی سو سال سے جاری تحریک عمل پیرا تھی۔

ایک ایسا دور جہاں عالمی ذہن نے ہر شعبہ زندگی کو لادینی بنیادوں پر قائم کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے ہم عوام کے ذہن بدلے بغیر بیلٹ بکس سے اسلامی نظام برآمد کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں یہ حقیقت سے فرار نہیں تو اور کیا ہے؟

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بہ انفسھم

"اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے نفسوں کی حالت نہ بدل لیں"

جب تک مسلمانوں کا تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق نہ ہو کسی طرح بھی پاکستان میں اسلامی

نظام کے نفاذ کا مطالبہ ایک پر جوش تقریر سے بڑھ کر کچھ نہ ہو گا۔ جو سیاسی و دینی جماعتیں تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کے بغیر نفاذ اسلام کا مطالبہ کرتی ہیں وہ دراصل بھولے بھالے مسلمانوں کو بیوقوف بناتی ہیں۔ جو بھی جماعت' اسلامی کردار اور اخلاق پہ پورا اترے گی مسلمان خود بخود لوہے چون کی مانند ان کی جانب کھنچے چلے آئیں گے۔ اس وقت اسلامی نظام کہیں بھی رائج نہیں' جو لوگ انقلاب ایران کو نفاذ اسلام متصور کرتے ہیں درحقیقت مغالطے کا شکار ہیں۔ یہ صرف مسلکی انقلاب تھا کیونکہ جہاں مکمل اسلامی نظام نافذ ہو وہ قوم خطہ ارض میں کہیں بھی مسلمان پہ ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتی بلکہ جہاد کرتی ہوئی دنیا میں امن و انصاف قائم کر دیتی ہے۔ قرآن کریم اس کی شہادت دیتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک تحریک ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح و تزکیہ کرنا ہے تاکہ معاشرہ کو صالح افراد سے مزین کر دیا جائے۔ اس سے یہ ہو گا کہ برائیاں بتدریج کم اور نیکیاں بڑھتی چلی جائیں گی اور صالح معاشرہ کا قیام خاموش انقلاب کی مانند صورت پذیر ہو جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ عملی سیاست میں کودے بغیر ارباب اقتدار کی اصلاح سے بھی نفاذ اسلام کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زندگی اس کی زندہ و روشن مثال ہے۔ "اصلاح انسانیت" کا اجرا دراصل انہی افکار کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ اکثر برادران سلسلہ نے اس اہم پیش رفت میں قابل ذکر کردار ادا نہیں کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے بھائی اس نیک اور اہم کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور دوست و احباب کو بھی شمارہ کی اہمیت کے پیش نظر رکن بنواتے مگر حال یہ ہے کہ خود اپنے فنڈز دینے سے بھی کترا رہے ہیں۔ شمارہ کے اجرا کو ماشاء اللہ پورا سال ہونے کو ہے۔ اور اس کے سالانہ اخراجات 60 ہزار روپے ہیں مگر مجموعی سالانہ وصولی 20 ہزار سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ یہ صورت حال ایک منظم اور متحرک جماعت کی عکاسی نہیں کرتی۔ خادمان حلقہ پہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ فنڈز کی فراہمی کو ہر ممکن طریقہ سے بہم پہنچائیں۔ انشاء اللہ ماہ ستمبر98 سے شمارہ کی دوسری جلد کا آغاز ہو جائے گا برادران سلسلہ کو چاہیے کہ وہ جلد از جلد سالانہ فنڈ 120 روپے کے حساب سے میرے پتہ پہ بذریعہ منی آرڈر / ڈرافٹ روانہ فرمائیں۔ جو بھائی فنڈز کی فراہمی میں سستی کریں گے انہیں شمارہ کی کاپی بذریعہ V.P روانہ کی جائے گی۔ ادارہ اصلاح انسانیت آپ کے تعاون کا منتظر ہے۔

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

"ڈاکٹر عبدالرشید وقار"

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (بے شک اللہ تمہیں عدل اور نیکی کا حکم دیتا ہے) النحل

تاریخ انسانی کے جھروکے میں مجبور و مقہور انسانوں کی نہ صرف دردناک تصویر دکھائی دیتی ہے بلکہ دل دہلانے والی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ خالق کائنات کے نافرمان حکمرانوں نے بڑے بڑے خونیں معرکے سر کیئے اور قافلہ انسانیت کو اپنی منزل سے جہاں تک بن پڑا دور کر دیا۔ رحمت حق کو جب جوش آیا۔ ظلم و ستم کی ماری مخلوق کی داد رسی کے لئے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انہوں نے اپنے اپنے عہد میں حتی لمقدور کوشش کی ظلم و استبداد کو ختم کر کے کائنات ارضی کو جنت نظر بنادیا۔

انسانی زندگی جذبات کی کشاکش کا نام ہے۔ انسان لغزش پر لغزش کھا کے سنبھلنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک نبی آخرالزماں ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی گرانقدر مساعی میں سے ایک عدل و انصاف کا قیام ہے آپ کے معاشرہ کا امتیازی نشان عدل تھا۔ عدل و انصاف ہی معاشرہ کی کھیتی کے لئے باران رحمت ثابت ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں انصاف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اس کے لئے سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور زمین جنت نشان بن جاتی ہے۔ ہر شخص کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اور انسانیت کے لئے ترقی کی راہیں ہموار ہوتی چلی جاتی ہیں۔

یونانی فلاسفر ارسطو نے کہا تھا کہ عدل و انصاف کسی ریاست کے لئے چار مضبوط ستون ہیں۔ یہ ستون جسقدر مضبوط ہونگے ریاستی استحکام اسی قدر زیادہ ہوگا اور جتنی ان کے اندر کمزوری واقع ہوگی اتنا ہی ملک کمزور ہوگا۔ حضرت علیؓ نے بھی فرمایا کہ کفر کا معاشرہ تو قائم رہ سکتا ہے لیکن ظالم معاشرہ نہیں رہ سکتا۔ ظالم معاشرہ کی شکست و ریخت لازمی اور بلا تاخیر واقع ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے جو نظام عدل وضع کیا۔ اس کی نظیر پیش کرنی مشکل ہے۔ اس نظام کی پشت پر دو مضبوط قوتیں قانون اور اخلاق کھڑی نظر آتی ہیں۔ اس قانون میں نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں پر بھی رحم و کرم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر طرح کے استحصال کو طاقت

اور اخلاق سے روک دیا۔ آپ ﷺ کے قائم کردہ عدالتی نظام کے اندر سچی گواہی کو بنیادی قدر حاصل تھی۔ فریقین آزادی کے ساتھ بلا خوف و خطر اپنا مقدمہ عدالت میں پیش کر سکتے تھے۔ مقدمات کا فیصلہ بلا تاخیر کیا جاتا تھا اور اس کا فوری نفاذ ہوتا۔ فریقین کو عدالتی اخراجات برداشت کرنے پڑتے تھے۔ مدعی اور ملزم خواہ کتنا ہی سماجی مرتبہ رکھتا ہو کسی قسم کا فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ عدالت غیر جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیتی تھی۔

عہد نبوی ﷺ میں بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی۔ روسائے مکہ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کے منظور نظر اسامہ بن زید ؓ کے ذریعے سفارش کروائی کہ فاطمہ کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اگر ایسا کیا گیا تو یہ گھرانہ بدنام ہو جائے گا۔ اور معزز گھرانے کی ناک کٹ جائے گی۔

رسالت ماب ﷺ نے جلال میں فرمایا خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کا ایک باب الٹ دیا۔

فرمایا۔ ”پچھلی قومیں اس لئے تباہ و برباد ہوئیں کہ جب ان میں کوئی بااثر انسان جرم کرتا تو چھوڑ دیا جاتا غریب و بے بس جرم کرتا تو پکڑ لیا جاتا“

یعنی جس پر بس چلتا پکڑ لیا جاتا اور جس پر نہ چلتا چھوڑ دیا جاتا۔ اس طرح اللہ کی زمین ظلم سے بھر گئی۔ اور قومیں ملیا میٹ ہوتی چلی گئیں۔ جس معاشرہ میں عدل و انصاف کی اس طرح مٹی پلید کی جائے اس کی بقا کی ضمانت کون دے سکتا ہے اور ایسا معاشرہ کیسے سدھر سکتا ہے فرد کی ہمدردیاں ملت کے ساتھ مشکوک ہو جاتی ہیں۔ سکون و اطمینان عنقا ہو جاتا ہے اور کتا بھی آدمی کی موت مرنا پسند نہیں کرتا۔

عہد نبوی ﷺ میں دور جدید کی طرح زندان کے خلوت کدوں میں سزا نہ دی جاتی تھی کسی کو کیا خبر سزا ملی یا نہیں ملی۔ مذہب اسلام انسان کی جان کا محافظ ہے اور کبھی کبھی جان کی حفاظت کے لئے انسانی اعضاء کی قطع لازمی ہو جاتی ہے۔ اسلامی تعزیرات کا نظام رب جلیل نے اصلاح معاشرہ کے لئے خود وضع فرمایا ہے انسانی عقل اس کے فوائد و ثمرات سے شاید پوری طرح آگاہ نہیں ہو سکی۔ وگرنہ آج کے نام نہاد دانش ور (مادر زاد اندھے) یہ کبھی نہ کہتے کہ سنگسار کرنا حیوانیت ہے۔ کوڑے لگانا درندگی ہے ہاتھ کاٹنا وحشیانہ سزا ہے۔ کیا کبھی کسی نے غور کیا کہ سزا تو اس وقت دی جاتی ہے جب انسان حدود کو توڑتا ہے۔ اور دوسروں کی دولت و آبرو غیر محفوظ ہو

جاتی ہے اور رحمت عالم ﷺ کے فرمان "تم میں سے کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک دوسرے کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنی جان کے لئے پسند کرتا ہے" کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی دنیا سے رحلت کے بعد آپ کے جانثار بھی عدل و انصاف پر قائم رہے حضرت صدیق اکبرؓ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی فرمایا

"جو تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک اس کا حق نہ دلا دوں اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے انشاء اللہ اس سے حق لے کر چھوڑوں گا"

اس کے بعد عمر فاروقؓ کا دور دیکھئے شاید دنیا پھر ایسا عدل و انصاف نہ دیکھ سکے گی۔ آپ کے فرزند ایک جرم میں ماخوذ ہوئے۔

80 کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے لُختِ جگر پر ہاتھ اٹھائے جب سب کی ہمت جواب دے گئی تو ہاتھ میں کوڑا لے کر خود مارنا شروع کر دیا۔ دیکھنے والوں کے کلیجے منہ کو آ گئے۔ مگر دست فاروقی پے در پے کوڑے برساتا رہا ادھر کوڑے پورے ہوئے ادھر بیٹے کی روح خالق حقیقی سے جا ملی۔

کیا تاریخ عالم ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا سزا نے اس کو اب مصفی کر دیا ہے اب یہ گناہ گار نہیں۔

یہ تھے وہ پاک باز لوگ جنہوں نے مساوات اور عدل و انصاف کی اعلیٰ قدروں کو قائم کرنے کے لئے شجر اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی۔

سروں پر حکومت کرنے والے مر کر عبرت کا نشان بن گئے اور دلوں پر حکومت کرنے والے آج بھی زندہ ہیں۔ کاش ہم بھی رسول عربی ﷺ کی وفاداری کا دم بھرتے ہوئے اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لا یومن حتی یحب لا خیه مایحب لنفسه۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ انسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے

اسلام دین فطرت ہے اس کا پورا نظام فطرت کے مطابق ہے۔ اسلام انسانوں کو مل جل کر رہنے اور دوسروں کے حقوق و فرائض ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ اخوت و محبت کے ساتھ پیش آنا اسلامی تعلیمات کی اساس ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات سے اخوت و محبت کے جذبے کو ختم کر دیا جائے تو دین اسلام کی تمام بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں بالالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی بے پناہ اہمیت دیتا ہے۔

دین اسلام کی رحمت اور شفقت کا دائرہ کسی خاص قوم یا طبقے تک ہی محدود نہیں بلکہ پوری عالم انسانیت تک وسیع ہے۔ دین اسلام نے ساری مخلوق کو خدا تعالیٰ کا کنبہ قرار دیا ہے اور ساری مخلوق کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کا درس دیا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا

"ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا تعالیٰ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو خدا کی مخلوق کو سب سے زیادہ چاہتا ہے"

بقول شاعر

کرو تم مہربانی اہل زمین پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

اس حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ایثار و قربانی سے کام لیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی وہی پسند کریں جو وہ خود اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔

دین اسلام نے خود غرضی کو ناپسندیدہ اور مذموم قرار دیا ہے۔ اس سے دامن بچا کر ہی ایک مسلمان ایمان میں ترقی اور سربلندی حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ جو معیاری مومن تھے ان کا ایک نمایاں وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ

"وہ تنگدستی کے باوجود مسلمان بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے"

اور انہوں نے اپنی تمام زندگی دین اسلام کے مطابق گذار کر ہمارے لئے عملی نمونہ پیش کیا جس کی زندہ مثال یہ چند واقعات ہیں۔

ایک صحابی کو کسی نے بھنی ہوئی سری بھیجی۔ صحابی نے خیال کیا کہ فلاں بھائی زیادہ حاجت مند ہے بہتر ہے کہ اس کو بھیج دی جائے جب سری اس کے پاس پہنچی تو اس نے آگے ایک مسلمان بھائی کو بھیج دی اسی طرح یہ سری کئی ہاتھوں سے پھر کر پہلے مسلمان بھائی کے پاس آگئی۔

اسی طرح ایک اور صحابی ابو صہبم بن خدیفہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے میدان میں وہ اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلے پانی ساتھ لے کر بھائی کے پاس پہنچے اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی اسے پانی پلانے ہی کو تھے کہ دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ انہوں نے صحابی سے کہا کہ پہلے اسے پانی پلاؤ صحابی پانی لے کر اس کے پاس پہنچے اور اس کو پانی پلانے ہی کو تھے کہ تیسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی چنانچہ صحابی پانی لیکر تیسرے زخمی کے پاس پہنچے تو وہ جاں بحق ہو چکے تھے واپس آئے تو دوسرے زخمی بھی چل بسے اور جب بھائی کے پاس آئے تو وہ بھی جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔

یہ ہے اسلامی اخوت و محبت کا تقاضا جس کو خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور صحابہ کرام نے باخوبی سرانجام دیا اور تمام انسانوں کے لئے راہ کھول دی کہ اسلام تم سے ایسی ہی اخوت و محبت کے جذبے کی توقع رکھتا ہے۔

ایسے ہی خیر خواہی اور محبت کے جذبات قوموں کو پستی سے نکال کر عروج تک پہنچا دیتے ہیں یہ اسلامی اخوت ہی تھی جس نے دس سال کی مختصر مدت میں جس قوم نے رسول کریم ﷺ کی زیر سایہ تربیت پائی تھی اسے ایک صدی کے اندر اندر خدا تعالیٰ نے دنیا کے بہترین خطوں کی بادشاہت سونپ دی۔

آج مسلمان جس تنزل کا شکار ہیں اس کی بنیادی وجہ اتحاد اور اخوت کے رشتے کے کمزور ہونے کے سبب ہے۔

موجودہ دور میں مسلم ممالک میں کوئی ایسی تنظیم نہیں جو صحیح معنوں میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکے اور ان میں دوبارہ سے اسلامی اخوت کے جذبے کو بیدار کر سکے تاکہ مسلمان ایک مرتبہ پھر سے دشمنوں کے خلاف آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو سکیں۔

اسلامی اخوت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تو سب مسلم ممالک ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے اور اہل مغرب کو یہ ہمت نہ ہوتی کہ وہ ایک مسلم ریاست کے خلاف پابندیاں عائد کر سکتے۔

پوری دنیا میں خواہ وہ مسئلہ کشمیر ہو یا بوسنیا مسلمان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں یہ سب کچھ مسلم ممالک کی آپس میں اتحاد اور یکجہتی کے فقدان کی وجہ سے ہی ہے ورگرنہ یہی مسائل بہت پہلے حل ہو گئے ہوتے جو اب تک التواء میں پڑے ہوئے ہیں۔ اہل مغرب اس کے برعکس متحد ہو کر ہمیں مٹانے کے درپے ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ذاتی مفادات کو بھول کر ایک بار پھر سے ایک قوم بن کر ابھریں اور اپنی گم شدہ عظمت کو بحال کریں جس کا راز اسلامی اخوت اور اتحاد میں مضمر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اتحاد اور اخوت کا جذبہ دوبارہ سے پروان اسی وقت چڑھ سکتا ہے جب کہ ہم دوسروں کو اپنی ذات سے زیادہ درجہ دیں اور کسی کو کمتر نہ سمجھیں۔ دوسروں کی ضروریات اور حاجات کے لئے جہاں تک ممکن ہو اپنے دھن کی قربانی دیکھ کر دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کریں اور مومن کا کمال ایمان اسی میں ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

صدائے فقیر

عشرہ کاملہ

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ تمام اعمال جو انسان کی مادی یا روحانی ترقی میں مفید و مددگار ہوں انہیں تعمیری یا صالح اعمال کہا جائے گا اور جو اس تعریف کے زمرے سے باہر ہوں وہ لغو اور مضر قرار پائیں گے۔ انسان اس دنیا میں بظاہر تو خالی ہاتھ آتا اور خالی ہاتھ ہی واپس چلا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ایک دولت وہ جو اپنے ساتھ لے کر آتا ہے وہ وقت یا عمر کی مہلت ہے۔ اس سرمائے کے صحیح مصرف پر اس کی دنیوی اور اخروی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے کیونکہ اس مہلت کے دوران انجام دیے گئے تمام اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کا بنظر غائر جائزہ لیں تو ہمارے کتنے ہی افکار واقوال و اعمال لغو قرار پائیں گے کیونکہ ان سے ہمیں کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اگر ان پر اپنی توانائی ضائع نہ کریں تو ہماری زندگی میں نہ تو کوئی خلا واقع ہو اور نہ ہی ہماری کارکردگی میں کوئی فرق آئے۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین پوری انسانیت کے لئے رحمتوں کا خزانہ ہے اور اس دولت کو تقسیم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رحمت اللعلمین بنا کر بھیجا۔ اسلام تو سکھاتا ہی یہ ہے کہ تمام لغو اور لا حاصل سرگرمیوں سے اجتناب کرتے ہوئے پاکیزہ اخلاق' صالح اعمال اور بنی نوع انسان کی خدمت کی راہ کو اپنایا جائے۔ لیکن بے فائدہ اور فضول باتوں میں الجھنے کی عادت کی وجہ سے ہم نے دین محبت کو بھی باہمی نزاع' لڑائی جھگڑوں بلکہ قتل و غارت کا اکھاڑہ بنالیا ہے۔ عجیب غریب قسم کے خود ساختہ مسائل اور معمولی معمولی فروعی اختلافات کو حق و باطل کا معیار گردان کر ہم دین حق کی حقیقی روح سے دور جاپڑے ہیں۔ جن مسائل پر مناظرے اور معرکے بپا ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق نہ تو قرآن کریم میں دیے گئے بنیادی عقائد سے ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں ان کے بارے میں ہم سے پرسش ہوگی۔ تو پھر ان موشگافیوں کے شوق میں اتحاد امت میں شگاف ڈال کر مسلمانوں کو باہم لڑانا اور جگ ہنسائی کرانا کہاں تک درست ہے۔ اس روش پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا ضیاع اور وقت بے جا اسراف نہیں تو اور کیا ہے۔ اہل اسلام کو تو زندگی کی ہر ساعت بلکہ ہر سانس اپنے خالق و مالک

اور معبود و محبوب اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں لگا کر "ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان" کا مصداق بننا چاہیے۔

ہمیں چونکہ وقت کی قدر و قیمت کا صحیح شعور نہیں ہے اس لئے ہم عملی زندگی میں اس دولت کو لا حاصل سرگرمیوں میں بے دریغ لٹاتے چلے جاتے ہیں۔ حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی رضا اور ایمان کی ترقی کے لحاظ سے جس مومن کے دو دن یکساں کیفیت میں گذریں وہ خسارے میں ہے" گویا کہ اللہ کی محبت کے سفر میں مومن کا ہر دن گذشتہ دن سے بہتر ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو زندگی کا ایک دن ضائع ہو گیا۔ اگر کبھی بالکل ہی فراغت ہو تو اس وقت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے مبارک ذکر میں لگایا جائے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ طالبین حق سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ "ہم اللہ اللہ کرنے کے لئے آپ سے خصوصی وقت بالکل نہیں مانگتے۔ آپ صرف یہ کریں کہ جب آپ کوئی کام نہیں کر رہے ہوتے اور جو وقت فضول سوچوں اور باتوں پر ضائع کر دیتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا دیں۔ بس اسی سے اللہ اپنا فضل فرما دے گا"۔

معلوم ہوا کہ وقت جیسی قیمتی شے کے برمحل اور مثبت استعمال سے انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک قابل قدر عمل مثال ذہن میں آ گئی ہے جس کے بیان کرنے سے وقت کی قدر و منزلت کرنے کی ترغیب ملے گی۔ پروفیسر غازی احمد (سابق کرشن لعل) اپنی خود نوشت اور ایمان افروز داستان "من الظلمت الی النور" میں رقمطراز ہیں "جب ایک سال کے لئے چکوال کالج میں میرا تبادلہ ہوا تو میں ہر روز گھر واپس آ جاتا تھا۔ بس آتے جاتے دو گھنٹے خرچ ہو جاتے۔ میں نے وقت کا ضائع کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ کا ورد شروع کر دیا۔ ننانوے اسماء الٰہی کا ورد لاکھ لاکھ بار کیا اور لاکھ بار اسم ذات اللہ کا ورد کر کے ایک کروڑ مکمل کر لیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ علاوہ ازیں کلمہ طیبہ سلام قولا من رب الرحیم اور رب انی مغلوب فانتصر بھی لاکھ لاکھ بار پڑھ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ میں نے سفر کے دوران وقت سے فائدہ اٹھایا اور کلمات طیبات سے متمتع ہوتا رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں سورہ الفاتحہ کو بھی باقاعدگی سے لاکھ مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور میرا فارغ وقت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں درود شریف کا نذرانہ پیش کرنے میں صرف ہوتا ہے الحمد للہ علی ذلک"

وقت کے بہترین استعمال سے انسان نہ صرف مادی طور پر ترقی کر سکتا ہے بلکہ روحانیت میں بھی کمال حاصل کر سکتا ہے۔ لفظی طور پر بھی وقت کے حروف (و ق ت) کی ترتیب بدلنے سے لفظ قوت بن جاتا

ہے۔ بقول شاعر:-

قوت کا راز وقت کی ترتیب ہے
پا لیا جس نے وہ خوش نصیب ہے

اگر ہم بھی اپنی زندگی کو بامقصد بنالیں اور اپنا قیمتی وقت آوارہ سوچوں' بیہودہ باتوں' لایعنی بحثوں' اختلافی مسئلوں' سیاسی جھگڑوں' منحرف اخلاق فلموں' انتشار انگیز کتابوں اور چنڈال چوکڑیوں میں ضائع کرنے کی بجائے تعمیری کاموں اور صحتمند سرگرمیوں میں لگالیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا و آخرت میں کامیاب اور سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے دس نکات پر مشتمل ایک لائحہ عمل پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیں امید ہے کہ اس سے قارئین کرام کو فکر و عمل کی قوتوں کو درست جہت دینے اور اپنے وقت کو تعمیری کاموں میں لگانے میں مدد ملے گی۔

(1)۔ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل سمجھیں۔ پوری کائنات پر اس کی حکمرانی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود اور مسجود ہونے کے لائق نہیں۔ ہر مصیبت سے نجات اور خیر و خوبی کے حصول کے لئے اسی کو پکاریں کیونکہ وہی دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ وہ ہر شے کا خالق اور ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بے عملی کی بجائے عمل کے ساتھ مانیں۔ ہر کام پوری محنت' لگن اور خوشدلی کے ساتھ انجام دیں لیکن حسب دل خواہ نتائج کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کریں۔ اگر کوئی کام مرضی کے مطابق انجام نہ پائے تو اللہ کی رضا کو سمجھتے ہوئے اس پر بھی راضی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے جو ان گنت ظاہری و باطنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں ان پر غور کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس طرح احسان شناسی اور شکر گذاری کے جذبات ترقی کریں گے اور نمازوں میں زیادہ لطف آنے لگے گا۔ مصائب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہوئے انہیں خوشی سے برداشت کرنا اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر کرتے رہنا صالحین اور مقربین کا طریقہ ہے اور یہی ان کی دائمی مسرت کا راز ہے

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینم ایں متاع مصطفیٰ ﷺ ست

(2)۔ اللہ تعالیٰ کے بعد بزرگ ترین ہستی اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع ہی کا نام دین اسلام ہے اور اسی پر تمام انسانوں کی دنیوی اور

اخروی فوز و فلاح کا انحصار ہے حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کا اخلاق ہر قسم کے نقص سے بالکل پاک تھا۔ دنیا میں جتنے انسان اب تک گزرے ہیں، اب موجود ہیں یا آئندہ ہونگے حضور اقدس ﷺ تمام نیکیوں اور خوبیوں میں ان سے کہیں برتر اور افضل تھے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر کثرت کے ساتھ درود و سلام بھیجیں اور دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کا ادب و احترام کریں۔ ادب والے ہمیشہ بامراد اور بے ادب بے نصیب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں پر بھی جنت اسی طرح حرام کردی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے والوں کے لئے کی گئی ہے۔ حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ، اصحاب کبارؓ، ازواج مطہراتؓ اور اہل بیت اطہارؓ کے نام ہمیشہ عزت اور اکرام کے ساتھ لیں۔ ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی اور سوءاعتقادی سے نہ اپنے دل کو داغدار کریں نہ ہی زبان کو آلودہ کریں کہ یہی سلامتی کی راہ ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(3)۔ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والے اور قرآن و سنت پر چلنے والے بزرگوں کی صحبت کے اثر سے قلوب نور و سرور و حضور سے آشنا ہوتے ہیں ان کے روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے جو تمام روحانی بیماریوں کا شافی علاج ہے ان کی وجہ سے لذت ایمان اور ذوق عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے اللہ والوں کے وجود کو غنیمت جانتے ہوئے ان کے ساتھ عقیدت اور محبت کا تعلق قائم کریں اور ان کی تعلیم پر پورے خلوص سے عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قربت حاصل کریں۔ بقول شاعر مشرق:۔

صحبت از علم کتابی خوشتر است
صحبت مردان حر آدم گر است

(4)۔ اسلام لانے کے بعد سب سے زیادہ تاکید اقامت صلوہ کی کی گئی ہے یہ فرض زندگی کے آخری لمحوں تک ہر مسلمان کو ہر روز پانچ مرتبہ ادا کرنے کا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے نماز کو دین کا ستون، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی جیسے پر از حکمت نام عطا کر کے دین میں اس کی اہمیت کو واضح فرما دیا ہے۔ فرض عبادات میں سے روزہ، زکوٰۃ اور حج تو سال بعد ادا کئے جاتے ہیں۔ صرف نماز ہی ایک

عبادت ہے جس کی روزانہ ادائیگی فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے نماز ہی کو مومن کی پہچان فرمایا ہے۔ اس لئے بحثیت مسلمان اپنی شناخت قائم رکھیں اور کسی بھی حالت میں نماز ترک نہ کریں۔ فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں دل نہ چاہنے کا بہانہ ہرگز مسموع نہیں ہے۔ ایک بات پوری توجہ سے سمجھ لینے کی ہے کہ فرض کہتے ہی اسے ہیں کہ دل چاہے یا نہ چاہے وہ کام بہرحال کرنا ہی پڑتا ہے۔ جن اعمال کی ادائیگی کو مرضی، سہولت اور ذوق پر چھوڑ دیا گیا ہے انہیں نوافل کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں بیان کی گئی نماز کی عظمت کے پیش نظر بزرگان دین کی اکثریت نے ترک صلوٰۃ کو ترک دین کے مترادف قرار دیا ہے۔ حتیٰ کے بعض فقہی اماموں کا یہ فتویٰ ہے کہ اسلامی حکومت کو چاہیے کہ بے نماز کو قتل کردے اس لئے اقامت صلوٰۃ میں ہرگز کوتاہی نہ کریں کیونکہ نماز کے بغیر دین کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(5)۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث میں ذکر کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس لئے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کے دوران بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ذکر کا طریقہ کسی اللہ والے بزرگ سے سیکھ لیا جائے تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔ کثرت ذکر کی برکت سے اطمینان قلب جیسی نایاب دولت حاصل ہوتی اور ایمان کامل اور احسان کا مرتبہ عطا ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر دین کی بنیاد بھی ہے اور حصول کمال کا ذریعہ بھی ہے۔

ذکر او سرمایہ ایماں بود
ہر گدا از یاد او سلطاں بود

(6)۔ رب العلمین کی طرف سے آئی ہوئی ایک بیش بہا نعمت اور اس کے آخری رسول ﷺ کی انمول اور مقدس نشانی جو ساری دنیا کے انسانوں کے لئے نور وہدایت کا وسیلہ ہے قرآن مجید فرقان حمید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اور ہر روز، پورے آداب اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی کتاب کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنی چاہیے۔ عربی تلاوت کے بعد ان آیات کا ترجمہ پوری توجہ کے ساتھ اور اس تصور کے ساتھ پڑھا جائے کہ یہ کتاب میری ہدایت کے لئے اتاری گئی ہے اور اللہ تعالیٰ براہ راست مجھے خطاب فرما رہے ہیں۔ ذوق وشوق اور خلوص ومحبت سے کی جانے والی

تلاوت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کے قلب اطہر کے ساتھ مضبوط نسبت کا وسیلہ بن جائے گی' اس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کے صراط مستقیم پر چلنا اور اپنے آپ کو محسن انسانیت حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنا سہل ہو جائے گا کیونکہ حضور ﷺ کا اخلاق قرآن کریم ہی کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن عظیم کی آیات میں تدبر و تفکر کرنے کی عادت ڈالیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کے سینہ کو فہم قرآن کے لئے کھول دیں گے اور دین حق کے اسرار و رموز واضح اور روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

چیست قرآں خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بے ساز و برگ

(7)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر یقین محکم رکھیں کہ زمین پر بسنے والے ہر جاندار کو رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس حکم میں ہم سب بھی "یقنا" شامل ہیں اس لئے حصول رزق کے لئے محنت اور کوشش تو ضرور کریں لیکن روٹی کی فکر میں ہی غرق ہو کر رہ جانا ایک مومن کو قطعی زیب نہیں دیتا۔ اپنی گذشتہ زندگی پر ہی غور کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی ہمیں بھوکا رہنے دیا ہے یقیناً" ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تو پھر خاطر جمع رکھئے۔ کہ آئندہ بھی ہمارے حصے کا رزق ہم تک پہنچتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی قلب و ذہن پر نقش کر لیں کہ رزق میں کمی بیشی کا انحصار اس کی مرضی پر ہے۔ وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ دونوں حالتیں انسان کے لئے آزمائش کی اہمیت رکھتی ہیں۔ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کو علم و ہنر یا اپنی قابلیت کے ساتھ کبھی منسوب نہ کریں بلکہ اس کا سبب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت جانیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دولت کو اس کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں خرچ کرنا خاص طور پر مساکین کے نان و نفقہ اور علاج و معالجہ کا انتظام کر دینا بہت بڑی نیکی ہے۔ یہ کام خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں کرتے رہنا چاہئے۔ اسی طرح ملکی دفاع کے لئے اپنی دولت خرچ کرنا مالی جہاد کے زمرے میں آتا ہے اور اس میں دل کھول کر حصہ لینا چاہیے۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے غلام دارا و جم

(8)۔ ایک اہم ترین حقیقت جسے قرآن و سنت میں بار بار آشکار کیا گیا ہے کہ اصل اور حقیقی

زندگی آخرت کی ہے کیونکہ آخرت پر یقین ہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ دنیا کی زندگی میں جو کچھ بھی ہے انسان کی خدمت اور تربیت کے لئے پیدا فرمایا۔ یہ زندگی انسان کے لئے آزمائش بنائی گئی ہے کہ آیا وہ اپنے خالق کو اپنا رب مان کر اس کے دین کے مطابق زندگی بسر کر کے اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یا عہد الست کو فراموش کر کے ابلیس کے نقش قدم پر چلتا اور اپنی من مرضی کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس دنیا کی نعمتیں گھٹیا اور عارضی نوعیت کی ہیں جب کہ آخرت کی زندگی بہتر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ تمام مادی اشیاء اور فطرت کی قوتوں کو تسخیر کر کے متاع دنیا سے پوری طرح استفادہ تو ضرور کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ہمیشہ مقدم رکھیں۔ یہی فکر و عمل ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کی ضامن ہے۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ انسان کو خصوصی صلاحیتیں عطا کر کے خلافت ارضی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اصل خرابی دنیا میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی محبت میں پھنس کر اللہ تعالیٰ اور اپنے مقصود حیات کو بھول جانے میں ہے۔ خلافت ارضی کے عظیم منصب کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم زندگی کے کسی بھی شعبے میں اور کسی بھی مقام پر فائز ہوں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور اس کے شکر گذار بندے بن کر رہیں اور اس کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر تحقیق و تخلیق کے کام کو آگے بڑھاتے چلے جائیں۔ اس سے نہ صرف زندگی کی سہولتوں میں اضافہ ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں بھی ترقی ہو گی۔ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ تسلیم و رضا کا شیوہ اپنا کر اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ بن جائے اور اس کے حبیب ﷺ کے اتباع میں فقیرانہ اور سپاہیانہ زندگی بسر کرے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے عبادات کے ساتھ ساتھ توکل علی اللہ کی راہ اپناتے ہوئے ہر حال میں خوش رہنے کی عادت ڈالنا بھی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ہم خود اپنے رب سے سچے دل سے راضی نہیں ہوں گے تو وہ جو دلوں کا حال بھی جانتا ہے ہم سے کیونکر راضی ہو گا۔ علامہ اقبالؒ مرد مومن کو اس کی منزل سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

(9)۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرو کیونکہ آگے بڑھ جانے والے ہی اس کے مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن

بندوں سے محبت کرتے ہیں ان کی صفات قرآن کریم میں صاف صاف بیان کردی گئی ہیں تاکہ اہل ایمان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جس قسم کا کردار اپنایا اور جس راہ پر چلنا ضروری ہے وہ کافی کٹھن اور دشوار ہے۔ اس طویل سفر میں وقت ضائع کرنا تو درکنار پاؤں میں چبھا ہوا کانٹا نکالنے سے بھی مسافر اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ حصول مراد کے لئے ضروری ہے کہ ہم فرقہ پرستی اور مسلکی جھگڑوں سے اپنا دامن بچا کر اپنی ساری صلاحیتیں پوری یکسوئی کے ساتھ اخلاق و کردار کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کے کام میں لگا دیں۔ دانا لوگ فضول بحثوں لاحاصل نظری مسائل اور غیر نفع بخش علوم میں ہرگز نہیں الجھتے۔ ہمیں چاہیے کہ لغو کاموں کی بجائے اپنی ہمت اقامت صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ، کثرت ذکر، تلاوت قرآن، نوافل و صدقات، حصول علم اور انسانیت کو نفع پہنچانے والے تعمیری کاموں میں صرف کریں۔ قرآن کریم کے مطابق انسانوں کے صرف دو گروہ ہیں۔ ایک تو کفار ہیں جنہیں حزب الشیطن یعنی شیطان کی پارٹی کہا گیا ہے۔ اور دوسرے اہل ایمان ہیں جنہیں حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی کا معزز نام دیا گیا ہے۔ جس طرح پوری دنیا کے کفار اللہ کے دین کی مخالفت میں متحد ہو کر ملت واحد بنے ہوئے ہیں۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر خیر الامت کا کردار ادا کریں اور کسی بھی قسم کے تفرقے کو اپنے درمیان جگہ نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار سے ہمارا نام "مسلم" رکھا ہے جس پر ہم سب کو فخر ہونا چاہئے۔ کیونکہ دین اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کے آئین کو اپنا طرز حیات تسلیم کر لینے والوں کے لئے "مسلم" سے بہتر کوئی دوسرا نام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ صرف مسلم کہلوانے پر ہی اکتفا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے اور بھائیوں کی قسمیں نہیں ہوتیں۔ ان کے درمیان عمر، عقل، دولت یا تقویٰ کے لحاظ سے کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو بھائی پھر بھی بھائی ہی ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کے اپنے دلوں سے غصہ، نفرت، حسد، بغض اور ہوا و ہوس کو نکال دیں اور صبر و تحمل اور عفو و درگذر کا رویہ اپنائیں کیونکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جنت ان متقین کے لئے تیار کی گئی ہے جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطائیں معاف کر دینے والے ہوں گے۔ عالمگیر محبت اختیار کرتے ہوئے ہر انسان کے ساتھ احترام و اکرام اور شفقت کا برتاؤ کریں اور بنی نوع انسان کی اصلاح و خدمت اور خیر خواہی کو اپنا شعار بنا کر دعوت الی اللہ کا فریضہ سر انجام دیں۔ حزب اللہ کے ارکان یعنی اہل ایمان کے آپس میں تعلقات تو خونی اور نسلی رشتوں سے بھی برتر رحمت و رافت اور ایثار و محبت پر مبنی دینی اخوت کی بنیاد پر قائم و دائم ہونے چاہئیں قرآن کریم میں اللہ

تعالیٰ، نبی کریم ﷺ اور مومنین کو رحیم فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے رحیم ہیں (33، 43)

اللہ تعالیٰ کے رسول کریم ﷺ مومنوں کے لئے رؤف و رحیم ہیں (9، 128)

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھی آپس میں رحیم ہیں (48، 29)

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ملت نام ہی اس کا ہے کہ لاکھوں کروڑوں افراد ہوں لیکن سب میں وحدت فکر و نظر ہو اور وحدت کردار ہو۔

چیست ملت اے کہ گوئی لا الہ
باہزاراں چشم بودن یک نگاہ

(10)۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس لئے اب انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لئے کوئی نیا نبی نہیں آئے گا لیکن ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور صراط مستقیم کی نشاندہی کرنے کا کام تو قیامت تک بہر حال جاری رہے گا۔ حضور ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے میں اب بنی نوع انسان کو دنیا اور آخرت کی زندگی کے حقائق سے آگاہ کر کے انہیں دعوت ایمان دینے کا عظیم منصب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے سپرد فرما دیا ہے۔ اس لئے امت وسطیٰ کی حیثیت سے ہم سب کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے کہ نہ صرف اپنے اہل خانہ، احباب و اقارب اور آس پاس بسنے والے لوگوں، بلکہ دنیا کے ہر انسان کو مقصود حیات سے آگاہ کر کے اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دعوت دیں تاکہ وہ دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں اور کامیاب ہو جائیں۔ انسانوں کی اصلاح کرنا دنیا کا کٹھن ترین کام ہے لیکن اس سے بڑھ کر بنی نوع انسان کی کوئی خدمت نہیں اور نہ ہی اس سے بڑی کوئی نیکی ہے۔

یہ کام حضور محسن انسانیت ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق انسانیت کی سچی خیر خواہی اور بے لوث محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر پوری استقامت، دلسوزی اور لگن کے ساتھ سرانجام دینا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ عظیم اور مقدس مشن امت مسلمہ کو سونپا تو اس کے بنیادی اصول بھی بتا دئے اور اپنی نصرت کی یقین دہانی بھی کرا دی۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آخری آیت میں جو حکم ارشاد فرمایا اس کا ترجمہ و مفہوم اس طرح ہے۔

"اے اہل ایمان دعوت الی اللہ کی اس راہ میں اس طرح جدوجہد کرنا جیسا کہ اس منصب کا تقاضا

ہے۔ اس نے تمہیں اس عظیم کام کے لئے چن لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی ناروا سختی نہیں ڈالی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی طریقہ ہے۔ اللہ نے پہلی کتابوں میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس کتاب میں بھی یہی ہے۔ تاکہ ہدایت کا پیغام پہنچا دینے کے بارے میں میرا رسول ﷺ تم پر گواہ بنے اور تم ساری دنیا کے انسانوں پر گواہ بنو۔ پس تم نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا اور اللہ تعالیٰ کو پختہ یقین کے ساتھ پکڑے رکھنا کیونکہ وہی تمہارا دوست ہے اور وہ کیا ہی خوب دوست اور کیا ہی خوب مددگار ہے"

اصلاح انسانیت کا یہ عظیم کام اللہ کے وہ مخلص بندے ہی سرانجام دے سکتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی محبت موجزن ہو اور اس فرض کی بجا آوری سے انکا مقصود اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضا کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو۔ یہ مبارک کام شروع کرنے سے پہلے ایک امر نہایت ضروری ہے کہ کفار اور گنہگار انسانوں سے نفرت کے جذبہ کو دلوں سے یکسر نکال باہر کیا جائے۔ کیونکہ دعوت الی اللہ کا کام تو حکمت اور پیار بھری نصیحتوں کے ساتھ ہی انجام دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح ایک معالج بیماری اور مرض کا تو دشمن ہوتا ہے لیکن وہ مریض کا ہمدرد اور خیر خواہ دوست ہے۔ اسی طرح ایک سچے مسلمان کو گناہ سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار انسان پر اسے رحم آنا چاہئے۔ اگر ہم برے آدمیوں سے نفرت کریں گے تو ان کی اصلاح کبھی بھی نہ ہو پائے گی۔ حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کی حیات مبارکہ کی مثال ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ آپ نے مشکل ترین حالات میں بھی اپنے مخالفین کے لئے کبھی بددعا نہیں فرمائی بلکہ پتھروں سے لہولہان کر دینے والوں کے حق میں بھی یہی دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما دے کیونکہ وہ حقیقت سے بے خبر لوگ ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ حضور محسن انسانیت ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اپنے آپ کو محبت اور صداقت کے رنگ میں رنگ لیں اور بنی نوع انسان کے لئے سراپا رحمت بن جائیں۔ حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ کا فرمان ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی نیکی انسانوں سے محبت کرنا ہے۔ محبت کے جذبہ میں بہت سے اعلیٰ جذبات و خصائل پوشیدہ ہیں جب دل محبت کے رنگ میں رنگ جاتا ہے تو وہ تمام خوبیاں کردار کا جزو بن جاتی ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

میر مجلس

ارشادات بانی سلسلہؒ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی مجالس میں مختلف موضوعات پر بڑے دوستانہ ماحول میں بات چیت ہوتی تھی۔ حاضرین کو حکم ہوتا تھا کہ خوب کھل کر بیٹھیں۔ جو لوگ سگریٹ پینا چاہتے ہیں خوشی سے پئیں اور جو بھی بات پوچھنا ہو بلا جھجک پوچھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ پرانی طرز کی پیری مریدی نہیں ہے یہ تو دوستوں اور بھائیوں کا ایک حلقہ ہے۔ پرانے بزرگوں کے سبق آموز قصے بھی آپ سنایا کرتے تھے۔ چند حکایات جو آپ کی زبانی بار بار سننے کا موقع ملا وہ اب تک یاد ہیں فی الحال ایک قصہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

تتلی اور تین فقیر

ایک جنگل میں تین تارک الدنیا فقیر رہتے تھے۔ وہاں انہوں نے رہائش کے لئے ایک کٹیا بنا رکھی تھی۔ وہ باری باری کسی آبادی میں جاکر سامان خورد و نوش بھیک مانگ کر لے آتے اور جنگل میں پڑے اللہ اللہ کرتے۔ ایک دن انہوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہم میں سے جو بھی مر جائے وہ باقی دونوں کو موت کے بعد کے حالات کے بارے میں ضرور خبر دے کہ وہاں اس کے ساتھ کیا گذری۔ چنانچہ ان میں سے ایک فقیر جب اللہ کو پیارا ہو گیا تو وہ دوسرے کو خواب میں ملا اور بتایا کہ میں تو بڑی مشکل سے بچا ہوں۔ اللہ میاں مجھے جہنم میں ڈالنے لگے تھے بس اپنے فضل سے رحم فرمادیا۔ اس نے پوچھا ہم تو تارک دنیا فقیر ہیں نہ کسی سے لین دین نہ لڑائی نہ جھگڑا تو تم پر کون سی آفت آ ٹوٹی۔ اس نے کہا بس اللہ سے ڈور۔ یہاں تو وہ معاملہ پیش آیا جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہوا یوں کہ ایک دن کٹیا میں تم دونوں سو رہے تھے اور میں دوپہر کو جاگ رہا تھا۔ کٹیا کے ایک کونے میں ایک مکڑے نے بڑا سا جالا لگا رکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ جنگل سے ایک اڑتی ہوئی تتلی ہماری کٹیا میں داخل ہوئی اور سیدھی مکڑے کے جالے پر جا بیٹھی اور اس میں پھنس گئی۔ مکڑے نے اسے اپنی خوراک بنالیا۔ بس اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکڑ لیا کہ تمہارے سامنے ہماری رنگ

برنگی، نرم ونازک اور خوبصورت تتلی کو ظالم مکڑا کھا گیا اور تمہارے دل میں ذرا رحم نہ آیا کہ اسے بچائے۔ تمہاری نمازوں اور ذکر کا کیا فائدہ اگر تمہارے دل میں ہماری مخلوق کے لئے محبت پیدا نہیں ہوئی۔ تم ہرگز جنت میں جانے کے اہل نہیں ہو۔ اس پر میں نے ناک رگڑی اور معافی چاہی تو اللہ میاں کو رحم آگیا اور فرمایا جاؤ ہم تمہیں اپنے فضل سے بخش دیتے ہیں اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو۔ پس تم بھی ہوشیار رہو۔ اس فقیر نے یہ بات اپنے ساتھی کو بھی بتائی اور دونوں بڑے فکر مند ہوئے کہ ہم نے تو ان باتوں کا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ چند دن بعد ایک فقیر اکیلا ہی جھونپڑی میں موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ جنگل سے ایک تتلی آئی اور جا کر جالے پر بیٹھ گئی۔ ابھی مکڑا اسے پکڑنے کے لئے حرکت میں آیا ہی تھا کہ اس نے ایک ڈنڈے کی مدد سے تتلی کو آزاد کر دیا اور وہ جنگل میں غائب ہو گئی اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ اس فقیر کا بھی چند دنوں کے بعد انتقال ہو گیا اور اس نے تیسرے ساتھی کو خواب میں بتایا کہ مجھے بھی یہاں بڑی مشکل پیش آئی اور اس نے مکڑی اڑانے والا واقعہ بھی بتایا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر میری شدید گرفت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہاری کٹیا میں رہنے والا ہمارا مکڑا تین دنوں سے بھوکا تھا ہم نے مکڑی کی صورت میں اس کے لئے رزق بھیجا اور تم نے ڈنڈا مار کر اسے اڑا دیا۔ تم ہمارے کاموں میں دخل اندازی کرنے والے کون ہوتے ہو۔ تم ہرگز اس لائق نہیں ہو کہ جنت میں قدم رکھو۔ اس پر میں نے رو رو کر معافی مانگی تو اللہ نے مغفرت فرمائی۔ اس پر تیسرا فقیر بہت پریشان ہوا کہ اب کیا کیا جائے۔ پہلے ساتھی کے سامنے مکڑے نے تتلی کھالی تو وہ بھی گرفت میں آگیا اور دوسرے نے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مکڑی کی جان بچائی تو وہ بھی پکڑا گیا۔ ایک دن اس کے سامنے بھی یہ تماشا ہونے لگا اس نے دیکھا کہ ایک تتلی کٹیا میں داخل ہوئی ہے اور آہستہ آہستہ مکڑے کے جالے کی طرف ہی بڑھ رہی ہے تو اس فقیر نے اپنی گدڑی لپیٹی اور پوری رفتار سے کٹیا سے بھاگ کر دور جنگل میں جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ میاں تو جان اور تیرا مکڑا جانے۔ ہم نہ یہ تماشا دیکھتے ہیں نہ پھنستے ہیں"

اس قصہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنے اعمال پر کبھی بھی غرور نہیں کرنا چاہئے۔ وہاں پر مغفرت محض اللہ کے فضل سے ہو گی اور اللہ سے اس کی رحمت اور فضل مانگتے رہنا چاہئے۔ ہماری عمر بھر کی بندگی اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا بدلہ بھی نہیں چکا سکتی۔

خواجہؒ کے خطوط

تدوین و ترتیب:۔ خالد مسعود

1۔ مجذوب کا حال

(بنام قاسم صاحب مورخہ 64-1-15)

"آپ نے اس مجذوب کا حال سنا ہو گا جس نے ہمارے حلقہ کے مرزا محمود بخت صاحب سے گستاخی کی تھی۔ پھر وہ قتل کر دیا گیا۔ مرزا محمود بخت تو بے چارے میں اس وقت بالکل ہی روحانی طاقت نہیں تھی پھر اس کو قتل کس نے کیا۔ "اللہ" دراصل ہمارے حلقہ کا خود محافظ ہے۔ جو کوئی ہمارے حلقہ کے کسی آدمی کو ستاتا ہے تو اللہ خود اس کو سزا دیتا ہے۔ آپ کسی بڑے سے بڑے سے بھی نہ ڈریں۔ ڈرنے سے نقصان پہنچ سکتا ہے ورنہ دوسرا چاہے کیسی ہی روحانی طاقت کا مالک ہو آپ کو یا حلقہ کے کسی آدمی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ امید ہے کہ یہ کافی ہو گا..... وہ جو جو آپ سے اکڑے گا یا ستائے گا جل کر خاک ہو جائے گا۔ ہمارے حلقہ میں یہ بات کیوں ہے اس کی وجہ کبھی زبانی بتاؤں گا لکھنے کی بات نہیں"

2۔ جذباتی مرید

(بنام قاسم صاحب مورخہ 64-2-27)

".... صاحب کے خط ہر دس پندرہ دن بعد آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ اپنے اخلاق کے مطابق مناسب جواب دیتا ہوں۔ اس سے ان کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ میں نے ان کو دل سے معاف کر دیا ہے چنانچہ پہلے خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ "میں اعتکاف میں بیٹھا تھا بڑا سوز و سرور آیا اور آپ سے بے انتہا فیض بھی پہنچا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے دل سے مجھے معاف کر دیا ہے" میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میں صرف اخلاقی تقاضے سے آپکو ایسے خط لکھتا ہوں۔ ویسے معافی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ نے میرے خلاف جو کچھ بھی کیا ہے میں اس کا مطلق برا نہیں مانا۔ لیکن اس کا یہ مطلب آپ ہرگز نہ لیں کہ میرے دل میں آپ کی کوئی جگہ یا قدر ہے میں نے آپ کو حلقہ سے خارج کر دیا ہے لیکن وہ بھی اس لئے نہیں کہ آپ نے میرے ساتھ برائی کی تھی۔ بلکہ حلقہ کی سلامتی کے لئے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ آپ ایک جذباتی آدمی ہیں۔ جب جذبات ابھرتے

ہیں تو آپ مجھ کو سجدے کرنے لگتے ہیں۔ جب جذبات ختم ہو جاتے ہیں تو پھر مجھے گالیاں دیتے ہیں"

کچھ دوسرے خط کے بارے میں

(اضافہ از محمد صدیق ڈار)

میں شیخ سلسلہ" سے ملاقات کے لئے بنوں صرف ایک مرتبہ جنوری 1964ء میں گیا تھا۔ بات چیت کے دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ ---- صاحب کا خط آیا تھا اور میں نے جواب میں یہ لکھا ہے۔ پھر شفقت فرمائی اور مجھے ان کا خط پڑھوایا اور جواب میں لکھا ہوا لفافہ کھول کر اپنی تحریر پڑھنے کو دی۔ دو باتیں قاسم صاحب کے نام لکھے گئے خط میں درج نہیں ہیں وہ برادران کے استفادہ کے لئے ہدیہ کرنا چاہتا ہوں۔

☆۔ پہلی بات ان صاحب نے لکھی تھی کہ اعتکاف کے دوران بڑا سرور آیا اور آپ سے بے انتہا فیض بھی پہنچا لیکن رمضان شریف ختم ہوتے ہی ساری کیفیت جاتی رہی۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"آپ نے میرے ساتھ جو وقت گذارا ہے آپ نے خاک چھانی ہے۔ ابھی تک آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ روحانی کیفیات کبھی مستقل نہیں ہوتیں۔ کیفیات تو آنی جانی ہوتی ہیں۔ ان کے جانے پر افسوس کیسا۔ جہاں تک فیض ملنے کی بات ہے وہ تو آپ کسی اللہ والے کی قبر پر بھی چلے جائیں، وہاں ان کے لئے ایصال ثواب کریں اور ان سے روحانی توجہ لیں تو وہاں سے بھی فیض ملتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ صاحب قبر سے آپ کی پختہ نسبت قائم ہو گئی ہے۔

☆۔ دوسری بات جو آپ نے تحریر فرمائی وہ یہ تھی کہ "جہاں تک معاف کر دینے کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ میں آپ سے ناراض ہی نہیں ہوں۔ میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بات قطعاً نہیں ہے۔ ایسی باتیں دل میں رکھ کر کیوں رنج اٹھاؤں۔ میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ غلطیاں تو دوسرے کریں اور سزا میں بھگتوں"۔

صورت اور حقیقت

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

صورت اور حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے

ایک چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت' ان دونوں میں بہت بڑی مشابہت کے باوجود بہت بڑا فرق بھی ہوتا ہے' آپ روزمرہ کی زندگی میں صورت اور حقیقت اور ان کے فرق سے خوب واقف ہیں۔ میں اس کی دو مثالیں دیتا ہوں' آپ نے مٹی کے پھل دیکھے ہوں گے جو بالکل اصلی پھل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن صورت و حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہے' اصل آم کوئی اور چیز ہے اور مٹی کا نقل آم کوئی اور چیز' مٹی کے آم میں نہ اصلی آم کا ذائقہ ہے' نہ خوشبو نہ رس نہ نرمی نہ اس کی خاصیتیں' صرف آم کی شکل ہے اور اس کا رنگ و روغن' اس لئے اس کو آم کہیں گے مگر مٹی کا آم' یہ مٹی کا آم دیکھنے بھر کا ہے' نہ کھانے کا' نہ سونگھنے کا' نہ ذائقہ نہ خوشبو۔ آپ مردہ عجائب خانہ میں گئے ہوں گے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہاں سب درندے اور سب جانور موجود ہیں' شیر بھی ہے اور ہاتھی بھی' تندوا بھی اور چیتا بھی مگر بے حقیقت' بھس بھری ہوئی کھالیں جن میں نہ کوئی جان ہے نہ طاقت شیر ہے مگر نہ اس کی آواز ہے نہ غصہ' نہ طاقت ہے نہ ہیبت۔

حقیقت کے مقابلہ میں صورت کو شکست

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صورت کبھی حقیقت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی' صورت سے حقیقت کے خواص کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے' صورت کبھی حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ صورت کبھی حقیقت کا بوجھ سنبھال نہیں سکتی' جب صورت کسی حقیقت کے مقابلہ میں آگئی' اس کو شکست کھانا پڑے گی۔ جب صورت پر کسی حقیقت کا بوجھ ڈالا جائیگا۔ صورت کی پوری عمارت زمین پر آرہیگی صورت اور حقیقت کا یہ فرق ہر جگہ نمایاں ہو گا۔ ہر جگہ صورت کو حقیقت کے سامنے پسپا ہونا پڑے گا۔ یہاں تک کے عظیم سے عظیم اور مہیب سے مہیب صورت اگر حقیر سے حقیر صورت کے مقابلہ میں آگئی تو اس کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ اس لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی حقیقت ہر بڑی سے بڑی صورت کے مقابلہ میں زیادہ طاقت رکھتی ہے' حقیقت ایک طاقت ہے ایک ٹھوس وجود ہے' صورت ایک خیال ہے' دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ اپنے کمزور ہاتھ کے اشارہ سے ایک بھس بھرے مردہ شیر کو دھکا دے سکتا ہے' اس کو زمین پر گرا سکتا

ہے' اس لئے کہ بچہ خواہ کتنا ہی کمزور سہی ایک حقیقت رکھتا ہے شیر اس وقت صرف صورت ہی صورت ہے' بچہ کی حقیقت شیر کی صورت پر آسانی سے غالب آجاتی ہے۔

نفس کا دھوکا

یہ عالم حقائق کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک حقیقت رکھی ہے مال کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی محبت طبعی اور اس کی خواہش فطری ہے اگر حقیقت نہ ہوتی تو اس کے متعلق احکام کیوں ہوتے۔ اس میں کشش کیوں ہوتی؟ اولاد ایک حقیقت ہے اس سے طبعی محبت اور فطری تعلق ہوتا ہے' اگر اولاد ایک حقیقت نہ ہوتی تو شریعت میں اس کی پرورش و نگہداشت کے احکام و فضائل کیوں ہوتے؟ اسی طرح طبعی ضروریات اور خواہشات کی بھی ایک حقیقت ہے ان حقیقتوں پر ایک بالاتر' قوی تر حقیقت ہی غالب آسکتی ہے کوئی صورت غالب نہیں آسکتی۔ یہ حقائق کتنے باطل آمیز سہی ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے اسلام و ایمان کی حقیقت درکار ہے اسلام کی صورت کتنی ہی مقدس سہی ان پر فتح حاصل نہیں کرسکتی' اس لئے کہ ادھر حقیقتیں ہیں ادھر صرف صورت آج ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ صورت اسلام ادنی ادنی حقائق پر غالب نہیں آرہی ہے' اس لئے کہ صورت میں دراصل کوئی بھی طاقت نہیں ہماری صورت اسلام' صورت کلمہ' صورت نماز ہم سے ادنیٰ ترغیبات چھڑانے سے قاصر ہے' ادنیٰ عادات پر غالب آنے سے عاجز ہے' ہم کو موسم کی ادنیٰ سختی اور حقیر ترین خواہش کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا نہیں کرتی۔ آپ کا یہ کلمہ جو کبھی گردن کٹوا دینے کی طاقت رکھتا تھا' آج وہ ان سردیوں میں صبح کے نماز کے لئے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جو کلمہ زندگی بھر کی منہ لگی شراب کو شریعت کے حکم پر ہمیشہ کے لئے چھڑا سکتا تھا۔ آج اگر ضرورت پڑ جائے تو آپ کی ادنیٰ مرغوب چیز یا معمولی عادت بھی نہیں چھڑا سکتا اس لئے کہ وہ کلمہ کی حقیقت تھی جس کے کارنامے آپ تاریخ اسلام میں پڑھتے ہیں۔ یہ کلمہ کی صورت ہے جس کی بے اثری آپ دن رات دیکھتے ہیں۔ ہم غلطی یہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی تاریخ کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہتے ہیں اس کو اپنے اوپر منطبق کرنا چاہتے ہیں جو وہ منطبق نہیں ہوتی۔ جب وہ لباس ہمارے اوپر راست نہیں آتا جب جگہ جگہ جھول پڑ جاتے ہیں۔ تو ہم شکایات کرتے ہیں' تعجب کرتے ہیں کہ کلمہ وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں' نماز وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں' پھر کیوں اس طرح کے واقعات ظہور میں نہیں آتے' کیوں اسی طرح کے نتائج و ثمرات برآمد نہیں ہوتے؟ دوستو اور بزرگو! اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو' وہاں کلمہ کی حقیقت تھی ایمان کی حقیقت تھی یہاں کلمہ کی صورت ہے' ایمان کی

صورت ہے، نماز کی صورت ہے، جس طرح املی کے بیج سے آم کے پھل کی توقع فضول ہے اسی طرح صورت سے حقیقت کے خواص کی امید بے کار ہے اور فریب نفس۔

حقیقت اسلام

حضرت خبیبؓ کا واقعہ آپ نے سنا ہے پھانسی کے تختہ پر ان کو چڑھایا گیا، چاروں طرف سے نیزوں کی نوکوں نے ان کو کوچنا شروع کیا، برچھیوں نے ان کے جسم کو چھلنی کرنا شروع کر دیا، وہ صبرو استقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، عین اس حالت میں ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری جگہ رسول اللہ ﷺ ہوں؟ وہ تڑپ کر جواب دیتے ہیں کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں ہوں کے مجھے چھوڑ دیا جائے اور حضور ﷺ کے تلوہ میں کوئی کانٹا بھی چبھے۔

حضرات! کیا یہ صورت اسلام تھی جس نے ان کو تختہ دار پر ثابت قدم رکھا اور ان کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے۔ نہیں! وہ اسلام کی حقیقت تھی جو ان کے ہر زخم پر مرہم رکھتی تھی، جو ہر نیزے کی چبھن پر جنت کا نقشہ لاتی تھی اور انہیں دکھاتی تھی کہ یہ تمہاری اس تکلیف کا صلہ ہے پس چند لمحوں کا معاملہ ہے یہ جنت تمہاری منتظر ہے، یہ خدا کی رحمت تمہاری منتظر ہے اگر تم نے اس فانی جسم کی اس فانی تکلیف کو گوارا کر لیا تو غیر فانی زندگی کی غیر فانی راحت تمہارا حصہ ہے یہ عشق و محبت کی حقیقت تھی، جب ان سے کہا گیا کہ کیا تم کو یہ منظور ہے کہ تمہاری جگہ رسول اللہ ﷺ ہوں؟ تو حضور کی صورت حقیقت بن کر ان کے سامنے آگئی تو ان کو گوارا نہیں ہوا کہ اس جسم اقدس کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف ہو۔

یہ چند پاک اور بلند حقائق تھے جو درد و تکلیف کی حقیقت پر غالب آئے۔ صورت اسلام تو تکلیف کے تصورات اور خیالات کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ فسادات کے موقع پر خیالی خطرات کی بنا پر لوگوں نے صورت اسلام بدل دی، مسلمانوں نے سروں پر چوٹیاں رکھیں اور غیر اسلامی شعار اختیار کئے، اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس صرف صورت اسلام تھی جو اس میدان میں ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت صہیبؓ رومی ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار مکہ نے ان کو راستہ میں روکا اور کہا کہ صہیبؓ تم جا سکتے ہو مگر یہ مال نہیں لے جا سکتے جو تم نے ہمارے شہر میں پیدا کیا ہے، اس حقیقت اسلام کا حقیقت مال سے مقابلہ تھا۔ حقیقت اسلام اپنی مقابل حقیقت پر غالب آئی صورت اسلام ہوتی تو وہ حقیقت مال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو سلمہ ؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم جا سکتے ہو مگر ہماری لڑکی ام سلمہ کو نہیں لے جا سکتے' اب حقیقت اسلام کا ایک حقیقت سے مقابلہ تھا وہ حقیقت کیا تھی؟ بیوی کی محبت' جو ایک حقیقت تھی لیکن اسلام کی حقیقت مومن کے دل میں ہر حقیقت سے زیادہ طاقتور اور گہری ہوتی ہے' انہوں نے بیوی کو اللہ کے حوالہ کیا اور تن تنہا چل دیئے۔ کیا صورت اسلام میں اتنی طاقت ہے کہ آدمی بیوی کو چھوڑ دے؟ ہم نے تو دیکھا ہے کہ لوگوں نے بیوی اور بچوں کے لئے کفر تک اختیار کر لیا اور صورت اسلام کی ذرا پروا نہیں کی ہے۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو طلحہ ؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے باغ میں ایک چھوٹی سی چڑیا آ گئی اور اس کو پھر جانے کا راستہ نہ ملا' حضرت ابو طلحہ ؓ کی توجہ بٹ گئی' نماز کے بعد انہوں نے پورا باغ صدقہ کر دیا اس لئے کہ حقیقت نماز اس شرکت کو گوارا نہیں کر سکتی تھی' اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت حقیقت صلوٰۃ ہی میں ہے آج ہماری آپ کی نماز ادنی ادنی حقیقتوں کا مقابلہ اس لئے نہیں کر سکتی کہ وہ حقیقت سے خالی اور محض صورت ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ یرموک کے میدان میں چند ہزار مسلمان تھے اور کئی لاکھ رومی' ایک عیسائی (جو مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہا تھا) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ رومیوں کی تعداد کا کچھ ٹھکانہ ہے؟ حضرت خالد ؓ نے کہا خاموش! خدا کی قسم اگر میرے گھوڑے اشقر کے سم درست ہوتے تو میں رومیوں کو پیغام بھیجتا کہ اتنی ہی تعداد اور میدان میں لے آئیں۔

حضرات! حضرت خالد ؓ کو یہ اطمینان و اعتماد کیوں تھا اور وہ رومیوں کی تعداد کو بے حقیقت کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ وہ حقیقت اسلام رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے مقابل رومیوں کی صورتیں ہیں' جو ہر طرح کی حقیقت سے خالی ہیں' یہ لاکھوں صورتیں اسلام کی حقیقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔

ہم یقیناً کلمہ پڑھتے ہیں' ہم میں سے بہت سے لوگ کلمہ کے معنی سے بھی واقف ہیں' لیکن حقیقت کلمہ کوئی اور چیز ہے' وہ ان الفاظ اور معنی سے بہت بلند ہے' کلمہ کی یہ حقیقت صحابہ کرام کو حاصل تھی جب وہ کہتے تھے لا الہ الا اللہ تو واقعۃً سمجھتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم یا بادشاہ نہیں' اللہ کے سوا کوئی امید و توقع کے قابل نہیں' اللہ کے سوا کسی کی ہستی کوئی ہستی نہیں' کیا یہ سب حقیقتیں ہم سب کے دل میں اتری ہوئی ہیں' ہمارے دماغ کے اندر بسی ہوئی ہیں ہماری زندگی کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہیں اگر ہم

ان حقیقتوں سے واقف بھی ہوتے تو لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا کہ ہم کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں جس کو اس حقیقت کا ذرا بھی احساس ہے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ وہ کتنا بڑا دعویٰ کر رہا ہے۔

چومی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لاالہ را

ہم جانتے ہیں کہ آخرت برحق ہے۔ جنت و دوزخ برحق ہیں مرنے کے بعد یقیناً" زندہ ہونا ہے' لیکن کیا سب کو ایمان کی وہ حقیقت حاصل ہے جو صحابہ کو حاصل تھی؟ اس حقیقت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابی کھجور کھاتے کھاتے پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے ختم ہونے کا انتظار کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے اور فورا" بڑھ کر شہادت حاصل کرتا ہے' اس لئے کہ جنت اس کے لئے ایک حقیقت تھی اور وہ حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اس کی حقیقت جس کو حاصل تھی وہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ یرموک کے میدان میں ایک صحابی ابو عبیدہؓ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر! میں سفر کے لئے تیار ہوں کوئی پیغام تو نہیں کہنا ہے؟ وہ کہتے ہیں' ہاں رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں ہمارا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپ نے ہم سے جو وعدے فرمائے تھے وہ سب پورے ہو رہے ہیں یہ ہے یقین کی حقیقت اس حقیقت پر کونسی قوت غالب آ سکتی ہے اور ایسی حقیقت رکھنے والی جماعت پر کونسی جماعت غالب آ سکتی ہے؟

صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں

امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہے وہ یہ کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ یہ آج کی بات نہیں یہ صدیوں کی پرانی حقیقت ہے' صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے۔ عرصہ تک دیکھنے والوں کی صورت پر حقیقت کا دھوکا ہوتا رہا اور وہ حقیقت کے ڈر سے اور صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے لیکن جب کسی نے ہمت کر کے اس صورت کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اندر سے پول ہے اور حقیقت غائب ہو چکی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کبھی کبھی کاشتکار کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر کوئی کپڑا ڈال دیتا ہے جس کو دیکھ کر پرندوں اور جانوروں کو شبہہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی رکھوالی کر رہا ہے لیکن اگر کوئی سیانا کوا یا ہوشیار جانور ہمت کر کے کھیت میں جا پڑے تو ظاہر ہے کہ وہ بے جان شبیہ کچھ نہیں کر سکتی پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانور

اس کھیت کو روند ڈالتے ہیں اور پرندے اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا' ان کی صورت حقیقت بن کر برسوں ان کی حفاظت کرتی رہی قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں' حقیقت اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے' تو اس صورت کی حقیقت کھل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا۔ اس وقت سے صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے' اب صرف حقیقت اسلام ہی اس امت کی حفاظت کر سکتی ہے۔

ہماری خطا آپ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ناکامی کی تلخ داستانیں پڑھتے ہیں' یہ حقیقت کی شکست کے واقعات نہیں' یہ سب صورت کی شکست و ہزیمت کے واقعات ہیں' صورت پر حقیقت کا بوجھ رکھنا چاہا وہ اس بوجھ کو سہار نہ سکی۔ خود بھی گری اور عمارت کو بھی زمین پر لے آئی۔

حقیقت اسلام مدتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں

عرصہ دراز سے صورت اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقت اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہی ہے' دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں' اس کو خبر نہیں کہ حقیقت اسلام مدت سے میدان میں آئی ہی نہیں' اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف صورت ہے نہ کہ اسلام کی حقیقت۔

یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ترکی میدان میں آیا' لیکن اسلام کی ایک نڈھال صورت لے کر' یہ نحیف و نزار صورت مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی' فلسطین میں تمام عرب قومیں اور سلطنتیں مل کر یہودیوں کے مقابلہ میں آئیں' لیکن حقیقت اسلام' شوق شہادت' جذبہ جہاد اور ایمانی کیفیات سے اکثر عاری' عربی قومیت کے نشہ میں سرشار' صرف اسلام کے نام و نسبت سے آراستہ' نتیجہ یہ ہوا کہ اس بے روح صورت نے یہودیوں کی جنگی قوت و تنظیم و اسلحہ کی حقیقت سے مات کھائی اس لئے کہ صورت حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہودی ایک حقیقت رکھتے تھے اگرچہ سرتاپا مادی' عرب صرف ایک صورت رکھتے تھے' اگرچہ مقدس لیکن صورت صورت ہے اور حقیقت حقیقت ہے۔

رحمت و نصرت' تائید و اعانت کے وعدے حقیقت سے متعلق

ہیں

اسلام کی صورت اللہ کے یہاں ایک درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں مدتوں اسلام کے حقیقت بسی رہی ہے اور یہ اسلام کی حقیقت کا قالب ہے' اسلام کی صورت بھی اللہ کو پیاری ہے اس لئے کہ اس کے محبوبوں کی پسندیدہ صورت ہے' اسلام کی صورت بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ اس صورت سے حقیقت اسلام کی طرف منتقل ہونا نسبتا" آسان ہے' جہاں صورت بھی نہیں وہاں حقیقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے' لیکن دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے وعدے دنیا میں اور مغفرت و نجات اور ترقی درجات کے وعدے آخرت میں سب حقیقت سے متعلق ہیں نہ کہ صورت سے' حدیث میں ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے' جو لوگ صرف صورت کے حامل تھے اور حقیقت سے یکسر خالی تھے ان کو وہ ان لکڑیوں سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی سہارے رکھی ہوئی ہیں' وہ فرماتا ہے:۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولو تسمع لقولھم کانھم خشب مسندہ یحسبون کل صیحتہ علیھم

"اگر تم ان لوگوں کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے وہ بات کریں گے تو تم کان لگا کر سنو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے رکھی ہوئی ہیں ہر آواز کو وہ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں"۔

امت کی سب سے بڑی خدمت

پس اس وقت سب سے بڑا کام اور امت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کے عموم اور سواد اعظم کو صورت سے حقیقت کی طرف سفر کرنے کی دعوت دی جائے۔ صورت اسلام میں روح اسلام اور حقیقت اسلام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے' اس وقت امت کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے اسی سے اس کے سب حالات اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے حالات بدلیں گے' دنیا کے حالات اس امت کے حالات کے اور اس امت کے حالات اس حقیقت کے تابع ہیں' یہ امت حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں زمین کا نمک ہے' دیگ کا مزا نمک کے تابع ہے' اور نمک کا مزا اس کی نمکینی پر موقوف ہے' اگر نمک

کی نمکینی ختم ہو جائے تو وہ نمک کس کام کا؟ اور پھر کھانے کو خوش ذائقہ بنانے والی چیز کہاں سے آئے گی؟ آج ساری زندگی بے کیف اور بے روح ہے اس لئے کہ اس امت کی بڑی تعداد حقیقت سے عاری اور روح سے خالی ہے' پھر زندگی میں روح اور حقیقت کہاں سے آئے گی؟

حقیقت اسلام دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے

حضرات! ہم اس سے بالکل مایوس نہیں ہیں کہ اس زمانہ میں حقیقت اسلام پیدا نہیں ہو سکتی ہم کسی ایسے زمانہ اور انقلاب کے قائل نہیں جس میں حقیقت اسلام دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتی' آپ پیچھے مڑ کر دیکھئے' تاریخ کے سمندر میں آپ کو حقیقت اسلام کے جزیرے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے' بارہا حقیقت اسلام ابھری اور ایمانی کیفیات پیدا ہوئیں۔ وہی اللہ اور رسول پر یقین و اعتماد وہی شہادت کا ذوق' جنت کا شوق' وہی دنیا پر آخرت کی ترجیح جب بھی اور جہاں کہیں حقیقت اسلام پیدا ہو گئی اس نے ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف حالات پر اور مخالف طاقتوں پر فتح پائی ہے۔ تمام گزرے ہوئے واقعات کو دہرا دیا ہے اور قرن اول کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حقیقت اسلام میں آج بھی طاقت ہے

حقیقت اسلام اور حقیقت ایمان میں آج بھی وہی طاقت ہے جو ابتدائے اسلام میں تھی' آج بھی اس سے وہ تمام واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے ہیں۔ آج بھی اس کے سامنے دریا پایاب ہو سکتے ہیں۔ سمندر میں گھوڑے ڈالے جا سکتے ہیں' درندے جنگل چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ بھڑکتی ہوئی آگ گلزار بن سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ حقیقت ابراہیمی موجود ہو

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

تلخیص:۔ اصلاحیات
پیشکش:۔ شیخ محمد اسلم

دل اور آب و گل کی دنیا

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

دنیائیں دو ہیں ایک یہ آب و گل کی دنیا جو لالہ و گل، مہ و انجم اور دشت و جبل کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسری مخفی دنیا، جو ہر چند ان آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن اس کے وجود سے انکار ناممکن ہے۔ جب ہم اس کائنات پر ایک متجسسانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے ایک دانش اعلیٰ سپریم انٹیلی جینس (Supreme Intelligence) کا احساس ہوتا ہے جو خلق و آفرینش کے حیرت انگیز کرشمے دکھا رہی ہے جو آکسیجن اور ہائیڈروجن جیسی دو زہریلی گیسوں کی ترکیب سے پانی بنا رہی ہے، جس کے کروڑوں آفتاب و مہتاب ازل سے فضائے نیلگوں میں محو پرواز ہیں۔ ان میں نہ تصادم ہوتا ہے اور نہ ان کی رفتار میں فرق آتا ہے ہماری زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محو سفر ہے۔ اگر اس کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے لیل و نہار دس گنا طویل ہوتے۔ ایک سو بیس گھنٹوں کے لمبے دن میں ہم تمازت آفتاب سے جھلس جاتے، درخت سوکھ جاتے، دریاؤں اور چشموں کا پانی ابلنے لگتا اور دوسری طرف اتنی طویل رات میں ہر چیز منجمد ہو جاتی۔ ہمارے آفتاب سے 12 ہزار درجے کی حرارت خارج ہو رہی ہے اور یہ زمین سے اندازاً ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ اگر یہ حرارت دگنی ہوتی یا یہ فاصلہ نصف ہوتا تو کائنات میں آگ بھڑک اٹھتی۔ آپ جانتے ہیں کہ سمندروں کا مدوجزر چاند کی وجہ سے ہے جو ہم سے اندازاً "اڑھائی لاکھ میل دور ہے۔ اگر یہ فاصلہ دس گنا کم ہوتا تو سمندر کی لہریں دس گنا اونچی ہوتیں اور ہر منٹ کے بعد ساری زمین پانی میں ڈوب جاتی۔ یہ اور اس قسم کے بیشمار دیگر حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کائنات کا نظم و نسق ایک زبردست قوت ناظمہ کے ہاتھ میں ہے جو مہندس و محاسب ہونے کے علاوہ شاعر بھی ہے۔ یہی قوت بہاروں اور مہ پاروں کی خالق ہے نیز لالہ و گل اور مہ انجم میں اسی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ حیات میں بڑی قوت ہے۔ جب ہم ایک باریک سا بیج کسی چٹان پر پھینک دیتے ہیں تو اس کی ننھی سی جڑ سنگین چٹانوں کا سینہ چیر کر نکل جاتی ہے۔ دیوار کا سو فٹ اونچا اور چار سو من وزنی درخت کشش ثقل، آندھیوں اور طوفانوں تینوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور گرتا نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس قوت کے سہارے قائم ہے؟ جواب ہے حیات۔ اللہ حیات کا سرچشمہ ہے۔ جب کوئی فرد اس منبع حیات سے رابطہ قائم کر لیتا ہے تو اس میں ایک نئی زندگی کروٹیں لینے لگتی ہے۔ اس جسمانی زندگی سے عظیم تر، مہیب تر اور جمیل تر۔ آر۔ ڈبلیو۔ ٹرائن اپنی شہرہ آفاق کتاب ان ٹیون ود دی انفائٹ (In Tune With the Infinite) میں کیا پتے کی بات کہتے ہیں۔

اس کائنات کی مرکزی حقیقت حیات و قوت کا وہ منبع ہے جو ہر چیز میں زندگی بھر رہا ہے اللہ کی

تخلیقی، تعمیری طاقتیں بعض ایسے قوانین کی معرفت عمل پیرا ہیں جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہیں۔

"چمن کا متبسم پھول اور فضا کا ہر برف کا گولہ چند عظیم و غیر متبدل قوانین کی تعمیل پر مجبور ہے۔ کائنات میں ایک ایسی طاقت موجود ہے جو ان قوانین کی واضع ہے۔ اسے ہم اللہ کہتے ہیں۔ یہ کائنات صرف اللہ سے معمور ہے وہی ہر چیز کا منبع و مرجع ہے اور اس سے الگ کوئی چیز موجود نہیں"۔

قوت کا خزانہ انسان کی طویل تاریخ اور اس کی تلاش و طلب پر نظر ڈالنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ طاقت کے خزانے دو ہیں۔ یہ کائنات جس سے ہم پٹرول، کوئلہ اور بجلی کے بعد آج جوہری توانائی حاصل کر رہے ہیں۔

دوم:۔ دل کی دنیا، جہاں مہیب توانائی کے ذخائر پنہاں ہیں۔ وہی توانائی جو ایک ڈانٹ سے قلزم کو خشک اور چاند کو دو نیم کر سکتی ہے جو چٹانوں کو چیر کر ان سے چشمے نکال سکتی ہے، جو رب کائنات کو ایک بالشت کے فاصلے پر لا سکتی ہے۔ اگر یہ دو توانائیاں شاہراہ زندگی پر ہم سفر ہو جائیں تو انسان اللہ کا نائب بن جاتا ہے۔ خالص مادی طاقت جس کے ساتھ روح کی طاقت شامل نہ ہو نہ تو کوئی انقلاب پیدا کر سکتی ہے اور نہ دنیا کو پیام امن دے سکتی ہے۔ آج یورپ کے پاس مادی قوت کے بے پناہ وسائل موجود ہیں لیکن روحانی لحاظ سے بے حد مفلس و بے نوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس کی قوت اس بے لگام حبشی کی سی ہے جو شراب میں مست اور شمشیر بدست کسی بستی میں داخل ہو جائے۔ درست فرمایا تھا حکیم مشرق نے

من دردن شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام

آنچناں زہرے کہ از دے مارہا در پیچ و تاب

پیام مشرق کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔

"اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالے میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی، جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو"۔

انقلاب وہ آگ ہے جس کے شعلے سینے سے نکل کر جہاں کہن کے کاشانے پر برستے ہیں حضرت خلیل علیہ السلام، محمد ﷺ اور کلیم علیہ السلام نے عالم پیر کو خاکستر بنانے کے بعد جہان تازہ کی بنیاد ڈالی تھی اور یہ شعلے ان کے آتش کدہ دل ہی سے نکلے تھے۔ اسی آگ کا دوسرا نام عشق ہے۔ جب ایک انسان اللہ سے رابطہ کرنے لگتا ہے تو شروع میں اسے جسمانی کوفت ہوتی ہے بعد میں تعمیل عادت بن جاتی ہے پھر اسے اس رابطہ میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے، ایک قسم کی مبہم، پراسرار اور آسمانی لذت جو فکر و ذکر کے منازل طے کرنے کے بعد بہت عمیق ہو جاتی ہے اور دل ایک ایسا حرم بن جاتا ہے جس میں اللہ کے سوا اور کوئی معبود سما ہی نہیں سکتا۔ مادی عظمتیں حقیر نظر آنے لگتی ہیں، روح جلیل و جمیل بن جاتی ہے اور اللہ

کے قرب کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں بندہ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور جب وہ تین سو تیرہ بے سروساماں سرفروشوں کو لے کر میدان بدر میں جاتا ہے تو آسمانوں کے پٹ کھل جاتے ہیں اور کئی ہزار مسلح فرشتے اس کی مدد کے لئے جنگ گاہ میں اتر آتے ہیں۔ جب اس کے عساکر ایران و روم کا رخ کرتے ہیں تو قیصرو کسریٰ کے تمام وسائل قوت و ہیبت بیکار ہو جاتے ہیں۔ 1918ء لینن اپنے ملک میں صرف ایک انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھا تھا ساڑھے تین کروڑ زمینداروں اور سرمایہ داروں کو ذبح کرنے کے بعد ابھی تک اسے مکمل کامیابی نہیں ہوئی' دوسری طرف حضور پر نور ﷺ نے مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام میں پانچ عظیم انقلابات بپا کئے۔ آپ نے لوگوں کا:۔

1۔ مذہب بدلا

2۔ زندگی کے متعلق ان کا نقطہ نگاہ تبدیل کیا

3۔ نئے اخلاقی نظام کی بنیاد ڈالی

4۔ سلطنت در دین ماخدمت گریست (سید القوم خادمہم) کا نعرہ بلند کیا

5۔ ایک ایسا اقتصادی نظام جاری کیا جس سے دنیا ناآشنا تھی

سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ میں یہ طاقتیں کہاں سے آئی تھیں کہ جس طرف کا رخ کرتے تھے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ جواب ہے' دل۔ دل توانائی کا بہت بڑا مرکز ہے اور جو لوگ اس توانائی سے محروم رہتے ہیں انہیں دولت کے انبار اور سر بفلک محل کبھی توانا نہیں بنا سکتے دولت دل زندہ کے ساتھ زینت ہے اور دل تیرہ کے ساتھ لعنت

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جباری
اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

تمثیل قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق ایک تمثیل دی ہے۔

اللہ نور السموت والارض مثل نورہ کمشکوہ فیھا مصباح المصباح زجاجه.....

(نور)

(اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے یہ نور اس چراغ داں کی طرح ہے جس میں ایک چراغ جل رہا

ہو اور شیشے کے گلوب میں رکھا ہو)۔

یہ کائنات شیشے کا ایک گلوب ہے جس سے نور الوہیت چھن چھن کر ہر چار سو پھیل رہا ہے۔ جسطرح رات کو کسی کمرے کا روشندان اس قمقمے یا چراغ کی خبر دیتا ہے جو کمرے کے اندر جل رہا ہو۔ اسی طرح آفتاب مہتاب کے روشندان صاف صاف بتا رہے ہیں کہ حریم حیات میں کوئی بہت بڑا قمقمہ فروزاں ہے انسان اس کا جبیں یا چہرہ ہے۔ جب اللہ کسی سینے پر گھر بنالیتا ہے تو پیشانی سے نور ربانی کی تجلیاں پھوٹ نکلتی ہیں۔

خواجہ اجمیرؒ، داتا گنج بخشؒ اور بابا فرید شکر گنجؒ کی یہی وہ تجلیاں تھیں کہ جنہیں بت پرست دیکھ پاتے تو زنار توڑ ڈالتے اور رب الکعبہ کے سامنے سربسجود ہو جاتے۔ ان لوگوں کے نورانی چہروں نے وہ کام کیا جسے غزنوی، ایوبی اور ابدالی جیسے ہزار ہا کشور کشاؤں کی تلواریں سرانجام نہ دے سکیں۔

آں فقر کہ بے تیغ صد کشور دل گیر

از شوکت دارا بہ از فر فریدوں بہ

اللہ نے قرآن میں باخدا اور بے خدا بندوں کی علامت ہی یہ بتائی ہے کہ تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکو گے۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود...... (فتح)

(نیک لوگوں کے چہروں پر سجدہ اور عبادت کے آثار ہیں)

یعرف المجرمین بسیماھم...... (رحمان)

(بدکار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے)

کہتے ہیں۔ کاتبین قدرت ہر انسان کے اعمال لکھ رہے ہیں اور کہیں لکھتے ہوں یا نہ، صفحہ جبین پر یقیناً لکھ رہے اور اس تحریر کو پڑھنے کے لئے کسی خاص آنکھ کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے ماحول پر نگاہ ڈالیں آپ کو ہر طرف جہالت اور گناہ میں لتھڑے ہوئے ہزار ہا چہرے نظر آئیں گے اور کچھ ایسے بھی جنہیں علم و پاکیزگی نے منور کر رکھا ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ وہ حسین و جمیل بنے لیکن اس کی راہ صرف ایک ہے یعنی اللہ سے عمیق رابطہ

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور

(اللہ اہل ایمان کا دوست ہے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر دنیائے نور کی طرف لے جاتا ہے)

چہرے کے نور یا چمک کی کئی قسمیں ہیں۔

اول:۔ بچپن کی چمک جو دس بارہ برس تک ساتھ دیتی ہے اس کے بعد جوانی کا نور آتا ہے۔ اگر

جوانی کے نور کو سنبھال کر رکھا جائے تو نور تیس پینتیس برس تک کی عمر تک ساتھ چلتا ہے۔ علم میں بھی ایک چمک ہے جو چالیس پنتالیس عمر تک رہتی ہے اس کے بعد صرف ایک ہی روشنی ساتھ دیتی ہے اور وہ ہے نور عبادت، مبارک ہیں وہ نفوس جو جوانی ہی میں اس روشنی کو حاصل کرلیں اور ایسے شمع دان بن جائیں جن کے سینوں میں آسمانی شمعیں جل رہی ہوں۔

وجدان:۔ انسانی حواس صرف پانچ نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی ایک حس موجود ہے جس سے کوہستان کی بلند و پست چوٹیوں اور تاروں کی بکھری ہوئی محفل میں رشتہ وحدت نظر آتا ہے اور کائنات میں ایک روح، ایک قوت ناظمہ اور مشیت قاہرہ کا احساس ہوتا ہے۔ اس حس کا نام وجدان ہے اور وجدان کو چمکانے کا نام تصوف ہے جسے خدا شناسی بھی کہتے ہیں۔

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

تصوف کوئی فلسفیانہ نظریہ حیات نہیں بلکہ نظام حیات ہے جس سے کائنات کے متعلق تصور ہی بدل جاتا ہے۔ قرآن کائنات کو بیکار نہیں سمجھتا بلکہ بار بار مشاہدہ موجودات کی ہدایت کرتا ہے اور پھر مرئی حقائق سے ایک غیر مرئی عالم کی طرف لے جاتا ہے۔ بعض مذاہب نے دین کو دنیا اور روح کو مادہ سے الگ کر دیا تھا لیکن اسلام روح و مادہ کو ایک ہی حقیقت کے دو پہلو قرار دیتا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وحدت روح و مادہ کا تصور اسلامی فکر کا عظیم شاہکار ہے۔

زندگی کی تکمیل دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ جلال اور جمال سے، ان ہر دو کے مظاہر بے شمار ہیں۔ جلال ایک طرف تو کہساروں، سمندروں اور آسمانوں میں پایا جاتا ہے اور دوسری طرف تلوار، سلطنت اور دولت میں۔ لیکن جمال کا سب سے بڑا مظہر علم ہے اور جمال کا عشق، جب علم و عشق ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر راہ زندگی پر روانہ ہوتے ہیں تو مہینوں کی منزلیں دنوں میں طے ہو جاتی ہیں۔

چو خود را در کنار خود کشیدم
بہ نور تو مقام خویش دیدم
دریں دیراز نوائے صبح گاہی
جہان عشق و مستی آفریدم

اللہ ایک چراغ ہے جو کائنات میں جل رہا ہے اور اس کا تصور وہ قمقمہ ہے جو سینہ انسان میں فروزاں ہے۔ یہ دیا بجھ جائے تو قلب و نظر پہ تیرگیاں مسلط ہو جاتی ہیں اور اس تاریک ماحول میں حیات بھٹکنے لگتی ہے اور بڑے بڑے حادثوں سے دوچار ہو جاتی ہے۔ میرے نقطہ نگاہ سے انسان کا سب سے بڑا

حادثہ اللہ سے کٹ جانا ہے۔

مقناطیست= یورپ اور امریکہ میں علماء کی ایک بہت بڑی جماعت گذشتہ صدی کے اواخر سے دنیائے دل کے اسرار بے نقاب کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ ان میں سرولیم کرکس، لارڈ ریلے، سر آرچی بالد، پروفیسر ولیم جیمز قابل ذکر ہیں۔ یہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی شخصیت سے کچھ غیر مرئی شعاعیں خارج ہوتی رہتی ہیں جو محبت یا نفرت کا اثر پیدا کرتی ہیں۔ اگر اعمال و خیالات میں پاکیزگی ہو تو ایسے آدمی سے لازماً محبت کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر کرنگٹن اپنی کتاب "پروجیکشن آف ایسٹرل باڈی" میں "اورا" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

یہ ایک غیر مرئی کہربائی روشنی ہے جو انسانی جسم سے خارج ہوتی ہے اس کا اثر یا تو جذب ہوتا ہے یا نفرت

ڈاکٹر الیگزینڈر کانن اپنی کتاب (The Invisible Influence) میں اس حقیقت کی یوں تشریح کرتے ہیں۔

"زمین کی طرح انسانی جسم سے بھی مقناطیسی لہریں خارج ہوتی ہیں جن کا اثر مختلف صورتوں میں مختلف ہوتا ہے۔ جس شخص کے خیالات و اعمال میں پاکیزگی ہو اس کی خارج کردہ لہریں جذب و محبت کا اثر پیدا کرتی ہیں۔ یہیں سے یہ مسئلہ کہ کیوں بعض لوگوں سے محبت اور بعض سے نفرت کی جاتی ہے حل ہو جاتا ہے"۔

تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی

اے رب! میں اپنی کچھ اولاد تیرے مقدس گھر کے پاس اس ویران وادی میں بسا رہا ہوں تاکہ یہ صلوٰۃ قائم کریں (اور اس طرح لوگوں کو اللہ سے راہ و رسم پیدا کرنے کا طریقہ سمجھائیں) اے رب! لوگوں کے دل میری اولاد کی طرف مائل کر۔

سرور دو عالم ﷺ ہر نماز کے بعد عموماً یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

رب حبب الناس الی رجبنی الیھم

ترجمہ:۔ اے رب! لوگوں کو میرا اور مجھے لوگوں کا محبوب بنا

محبوبیت کا یہ مقام بڑا عظیم ہے جسے حاصل کرنے کے لئے بڑی کٹھن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اور عام مشاہدہ یہ ہے کہ عبادت و اطاعت کا بھی اس میں دخل ہے۔ جنیدؒ و بایزیدؒ، اویسؓ و سلمانؓ اور دیگر ہزار ہا اہل دل اس منزل تک اسی راہ سے پہنچے تھے۔ شہرت و محبوبیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے بے شک چنگیز و ہلاکو، ہٹلر اور نپولین عالمگیر شہرت کے مالک تھے لیکن وہ کسی ایک دل میں بھی اپنا مقام نہ بنا سکے

اور دوسری طرف حسینؓ و حیدرؓ، فاروقؓ و صدیقؓ اور رومیؒ و غزالیؒ کا نام سنتے ہی کروڑوں مسلمانان عالم کی گردنیں تعظیماً جھک جاتی ہیں۔ بقول غالب

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا ایک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

جسم لطیف دنیائے روح کے متعلق تازہ انکشاف ہے کہ ہمارے اس جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم اسی طول و عرض کا داخل ہے جو غیر فانی و ابدی ہے اسے انگریزی میں ایسٹرل باڈی اور ہماری زبان میں جسم لطیف کہتے ہیں۔ اسے ہم ہر رات خواب میں دیکھتے ہیں۔ نیند میں جسم خاکی بستر پہ بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے اور جسم لطیف ادھر ادھر گھوم رہا ہوتا ہے۔ یہ جسم لطیف کہاں سے آتا ہے کوئی نہیں جانتا۔ یورپ کے ایک حکیم لیڈ بیٹر اتنا ہی بتا سکے۔

پیدائش کیا ہے؟ اس مادی و جسمانی دنیا میں ورود اور موت کیا ہے؟ اثیری دنیا میں نیا جنم' یہ اثیری جسمانی دنیا کی طرح حقیقی چیز ہے۔

ایک اور مقام پر یہی حکیم کہتے ہیں

تم جسم نہیں جسم کے باسی ہو' یہ اجسام محض خول ہیں جنہیں زندگی یوں ٹھکرا دیتی ہے جس طرح کپڑے بدل لئے جائیں۔

زندگی کہاں سے آئی اور کدھر جا رہی ہے؟ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں۔ قرآن حکیم سے صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ ہم سب اللہ کی طرف جا رہے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور ہماری آخری منزل اللہ ہے۔

غالباً" اس منزل کی راہ اس خاکدان سے ہو کر آگے نکلتی ہے اور جسم خاکی سے جسم لطیف کا یہ عارضی بندھن اس لئے ہے کہ ہم پاکیزہ خیالات' بلند اعمال' علم و عبادت سے جسم لطیف میں وہ قوت پیدا کرلیں کہ وہ منزل بہ منزل اپنے مرکز تک پہنچ جائے۔

فلا اقسم بالشفق والیل وما وسق - والقمر اذا تسق لترکبن طبقا عن طبق (الانشقاق)

(شفق کی قسم' رات اور ان کے تاروں کی قسم جنہیں رات فراہم کرتی ہے نیز چاند کی قسم جب وہ بدر کامل بن جاتا ہے کہ تم سب منزل بہ منزل اوپر کو آؤ گے)

اس مضمون کو لیڈ بیٹر یوں پیش کرتے ہیں۔

"نیک اعمال سے ہم رفتہ رفتہ ایک ایسے افق پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ہمیں روح کائنات سے

شرف ہم کلامی حاصل ہو جاتا ہے"

جسم لطیف کے متعلق ایک نہایت حیرت انگیز انکشاف یہ ہوا ہے کہ ہر گناہ بیماری یا دکھ بن کر جسم لطیف سے لپٹ جاتا ہے اور وہاں سے یہ بیماری جسم خاکی میں منتقل ہوتی ہے۔ شروع میں تو یہ بات لیڈ بیٹر جیسے صوفی ہی کہا کرتے تھے لیکن اب امریکہ کے ایک طبی ڈاکٹر نے بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ وہ کہتا ہے روح یا دماغ جسم کا قدرتی محافظ ہے۔ گناہ کی وجہ سے روح برص اور دیگر امراض کا شکار ہو جاتی ہے اور یہیں سے یہ بیماریاں جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف محبت' نیک دلی' فیاضی اور رحم و مروت سے جسم میں ایسی صحت افزا زندگی اور مصفی رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں جو گناہ کے مرض اور اثرات کو زائل کر دیتی ہیں۔

جب کوئی مریض حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جاتا تو پہلا سوال یہ ہوتا "کیا تم میرے پیغام کو تسلیم کرتے ہو" اور علاج کرنے کے بعد آئندہ کیلئے پرہیز یہ بتاتے "جاؤ اور آئندہ کے لئے گناہ مت کرو" قرآن حکیم بھی کچھ اسی طرح کی بات کہتا ہے۔ عربی زبان میں ایک لفظ "سیہ" ہے۔ جس کے معنی ہیں بدکاری سزا دکھ اور بیماری' اس کی جمع ہے (سیات) قرآن میں بار بار یہ مضمون دہرایا گیا ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیات

(کہ حسنات یعنی نیک اعمال۔ سیات یعنی گناہ' دکھ اور بیماریوں کو دور کر دیتے ہیں)

یہ ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے جسمانی امراض کا بہت کم شکار ہوتے ہیں اور بدکار ذہنی پریشانیوں اور جسمانی امراض میں عموماً گرفتار رہتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ قلب و نگاہ کی پاکیزگی اور پابندی عبادت کے ساتھ ساتھ اسمائے حسنہ کا ورد اس سلسلہ میں بڑا موثر ہے اور غالباً اللہ نے اس کے لئے حکم دیا تھا

واله الاسما الحسنی فادعوه بها

(اللہ کے نام بڑے ہی پیارے ہیں اسے انہی ناموں سے یاد کرو) (ماخوذ مسائل نو)

قرآن اور سائنس

اللہ کی تخلیق انتخابات (شان) کالامحدود حسن

ڈاکٹر ہلوک نور باقی

یسئلہ من فی السموٰت والارض کل یوم ھو فی شان ○ (الرحمن ۵۵)

ترجمہ :۔ "زمین اور آسمانوں میں جو بھی مخلوقات ہیں سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔ ہر آن وہ نئی شان میں ہے یا" وہ قادر مطلق ہونے کی وجہ سے ہر لمحہ ہر چیز کو مرتب کرتا ہے۔ یعنی اس کی شان آشکار ہوتی ہے۔)"

سورۃ الرحمن ایسی سورۃ ہے جو اللہ کی تخلیق کے عظیم رازوں کو بیان کرتی ہے۔ یہ آیت اللہ کے پاک انتظام اور اس کی قدرت مطلق کے انتہائی اہمیت کے حامل رازوں کو بیان کرتی ہے۔ یہ ایسے واقعات پر روشنی ڈالتی ہے جو سائنسی طور پر ناقابل تشریح ہیں۔ اس آیت کے معنی کو سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے فقرے میں اللہ کے اس ارشاد پر غور کرنا چاہئے کہ "سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔" اسی سے درخواستیں کر رہے ہیں۔ اس معاملہ میں اب ہم سائنس کی متعدد شاخوں کے تناظر میں تحقیق کرتے ہیں۔

ایک ایٹم کا مرکزہ ایک انتہائی قسم کے نازک توازن کا حامل ہوتا ہے۔ قادر مطلق نے ناقابل بیان توانائیوں کو ایک مرکزہ میں جکڑ رکھا ہے۔ اس کا کیا نتیجہ ہوگا اگر اس مرکزہ کو جان بوجھ کر باہر سے مادی طور پر ڈسٹرب یا چھیڑ دیا جائے؟ مشہور ماہر علم طبعیات ہائزن برگ کے کوانٹم کے اصول (نظریہ) کی رو سے ایک مرکزہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے سلسلے میں حتمی طور پر کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ ذرا سوچیں کہ اس وقت کیا ہوگا جب مثال کے طور پر مرکزہ میں تبدیلی کی اہلیت رکھنے والا ایک عدلیہ (نیوٹرون) اس مرکزہ میں داخل ہو جائے گا؟

اگر قادر مطلق کا وجود نہ ہو، جیسا کہ بدقسمت ملحد سمجھتے ہیں، تو مرکزہ کا توازن ناقابل مرمت حد تک بگڑ جائے گا، اگرچہ اس کی رفتار کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ مرکزہ میں داخل ہونے والے نئے نیوٹرون اس توازن کو اس حد تک مزید بگاڑ دیں گے کہ مرکزہ میں مقید توانائیاں ایک بم

کی طرح بھک سے پھٹ جائیں گی۔ درحقیقت اللہ نے یورنیم 235 والے مرکزہ کو ایسی ممکنات کی یاددہانی کے لئے ہی تخلیق کیا ہے۔ اور اس آئسوٹوپ کو قدرتی طور پر پائے جانے والے یورنیم میں چھپایا ہوا ہے۔ اگر نیوٹران ایسے ایک مرکزہ میں داخل ہو جائے تو آپ کو ایک ایٹم بم مل جاتا ہے۔ مگر یہ انتشار یا نئی اکائی تکسر ہی مکمل طور پر فنا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک محدود پیمانے پر انشقاق (FISSION) ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایٹمی مرکزہ پر نیوٹرون سے بمباری کی جائے۔ مگر عام طور پر انشقاق (فشن) کا یہ طاقت ور رد عمل واقع نہیں ہوتا۔ جہاں تک توازن کو واپس لانے کا معاملہ ہے تو اس کے لئے تو سائنسدانوں کی ایک کمیٹی سینکڑوں سالوں کی محنت شاقہ سے بھی اسے واپس نہیں کر سکتی۔ اس صورت میں پھر کیا ہوتا ہے؟

وہ مرکزہ رب جلیل سے استدعا کرتا ہے۔ اور اللہ اپنی لامحدود شان کے ذریعے اسے اسی لمحے عطا کرتا ہے۔ اور مرکزہ ایک ناقابل بیان مہارت سے نیوٹرون کو پروٹون میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مرکزہ کو ایک اور عنصر میں پہنچا دیا جاتا ہے اور توازن دوبارہ قائم ہو جاتا ہے۔ اب آپ سوچیں کہ یہ سارا عمل کتنے وقت میں پورا ہوتا ہے؟ جی ہاں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصہ کے عرصے میں!

آیئے اب دوسری مثال کی طرف بڑھتے ہیں۔ بیس سال قبل ماہر فلکیات نے دیکھا کہ بہت دور ستاروں کے نظام کی حامل دو کہکشائیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اربوں کی تعداد میں ستاروں پر مشتمل یہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرانے ہی والی تھیں۔ اور اس وقت قیامت برپا ہونے والی تھی۔ ایسے عظیم ٹکراؤ تو چھوڑیئے وہ توازن جو اربوں ستاروں، سیاروں کی کشش ثقل اور مرکز گریز توانائیوں سے وجود میں آتا ہے صرف ایک سورج کے اضافے کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اربوں کی تعداد میں یہ ستارے اپنے اپنے وجود کو ایک دوسرے سے مخصوص فاصلوں پر رکھ کر اور خاص رفتاروں سے گھومنے پر قائم رہتے ہیں۔ یہ تصادم ان کے تمام توازن کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔

مگر کوئی بھی ممکنہ واقعات پیش نہ آئے۔ اور دونوں کہکشائیں ایک دوسرے کے اندر سے بغیر کسی گزند کے گزر گئیں۔ یہ عقلی معجزہ کس طرح ہو گیا؟

سورۃ الرحمن کی آیت نمبر 29 اس کا پیشگی جواب مہیا کرتی ہے کہ "آسمانوں میں جو ہیں وہ مجھ سے استدعا کرتے ہیں اور مجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" چنانچہ ان کہکشاؤں نے بھی خاموشی سے اپنے رب جلیل سے مدد کی درخواست کی اور اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے اپنی لامحدود قدرت کے ذریعے اور انسانی عقل سے ماوراانتظام سے ان کہکشاؤں کو ایک دوسرے کے اندر سے باآسانی گزار دیا۔ اس سلسلے میں سائنس تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئی اور ان کہکشاؤں کے ستاروں اور سیاروں کے توازن آج تک باعث حیرت بنے ہوئے ہیں۔

صرف یہی ایک سمجھ نہ آنے والا واقعہ ہی اللہ کی قادر مطلق ہونے کا اور کی لامحدود شان ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کی شان ہر لمحے میں عیاں ہوتی رہتی ہے۔

اب میں اس حیاتیاتی عجوبے کا ذکر کروں گا جس کی تشریح اور توجیح کے سلسلے میں مکمل ناکامی تمام سائنسوں کی قسمت بن چکی ہے۔

رحم مادر میں جو جنین بچہ یعنی امبریو (EMBRYO) تین ہفتے پورا کرلیتا ہے وہ اس سطح کے مشابہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک مکھی کا پر ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا تین جہتی وجود نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ ایک سے ایک جڑے ہوئے خلیوں (سیلوں) کے ایک سلسلے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایک سے ایک جڑے ہوئے خلیوں (سیلوں) کے ایک سلسلے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اینڈور ڈرم اور اکٹوڈرم کے خلیے ساتھ ساتھ ایک ترتیب کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مختلف خلیے جو آگے چل کر ہارمون خارج کریں گے، وہ بھی اسی ترتیب سے رکھے جاتے ہیں۔ اور پھر اسی طرح پٹھوں، اعصابی نسوں اور ہڈی کے خلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان خلیوں کی یہ ترتیبیں جو جسم میں مکھی کے ایک پر سے بڑی نہیں ہوتیں، کس طرح ایک ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہیں؟ مثال کے طور پر وہ چار خلیے جو معدہ بنائیں گے ان تربیتوں کے مختلف اور الگ الگ علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک خلیہ تخلیق کے عمل سے نظام ہضم کے پٹھوں کو بنائے گا۔ دوسرا خلیہ معدے کے اعصابی نظام کو بنائے گا۔ تیسرا رطوبت مہیا کرنے والے ٹشو بنائے گا اور چوتھا معدے کے اندر کا استر یا تہہ کی تشکیل کرے گا۔

اللہ کا عظیم انعام

اعجاز احمد مغل

Headlines "انسانی دماغ طاقت کا زبردست خزانہ ہے۔ جو ہر انسان کو پیدائشی طور پر اللہ کی جانب سے حاصل ہے۔ دماغ کی صورت میں دنیا کا سب سے طاقتور کمپیوٹر آپ کے پاس موجود ہے"

انسانی دماغ ایک ناقابل یقین نظام ہے اس کی جسامت ایک سنگترے سے بھی کم ہے۔ مگر وہ ایک سیکنڈ میں 800 یاداشتیں ریکارڈ کرلیتا ہے۔ دماغ اوسطا" 75 سال تک برابر یہ کام جاری رکھ سکتا ہے۔ انسانی دماغ میں جو بات پڑتی ہے وہ پوری طرح اس کو محفوظ کرلیتا ہے اور پھر کبھی بھی اس کے جز کو فراموش نہیں کرتا خواہ ان تمام معلومات کو آپ شعوری طور پر یاد میں نہ لاسکیں۔ تاہم ہمارے دماغ کی فائل میں ہر چیز ہر وقت موجود رہتی ہے۔ اگر ایک ایسا کمپیوٹر بنایا جائے جس کے امکانات انسانی دماغ کے برابر ہوں تو اس کا انفراسٹرکچر اتنا زیادہ ہو گا کہ وہ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ جیسی عمارت کو گھیر لے گا۔ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ نیویارک میں ہے اس کی 102 منزلیں ہیں اور اس کی اونچائی 1250 فٹ ہے ایسا سپر کمپیوٹر بنایا جاسکے تو اس کو چلانے کے لئے ایک ارب واٹ کی بجلی درکار ہو گی اور اس کی لاگت اتنی زیادہ ہو گی کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔

یہ دماغ انسان کے لئے اللہ کا ایک انتہائی حیرت ناک تحفہ ہے۔ تاہم بڑے سے بڑا سائنس دان بھی اس کو صرف جزوی طور پر استعمال کرپاتا ہے' دماغ کے ابھی تمام اعلیٰ حصے غیر استعمال شدہ پڑے ہوتے ہیں۔ امریکی میگزین اسپان کے شمارہ ستمبر 1989ء میں ایک تحقیقی مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا ہمارا حیرت ناک دماغ Our amazing mind اس مضمون کے مرتب یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ کے سینئر ایڈیٹر مسٹر ولیم فال مین Mr, William Fallman تھے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دماغی تحقیق کا کام موجودہ زمانے میں اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب اس کی علیحدہ علمی شاخ وجود میں آچکی ہے جس کو دماغ کی سائنس Brain Science کہا جاتا ہے۔ ایک سائنس دان نے دماغ کو فکری انجن قرار دیا ہے حالانکہ یہ تعبیر بالکل ناقص ہے کیونکہ دماغ کے ایک لاکھ ملین نیوران 100,000 million neurons جس طرح متحد طور پر کام کرتے ہیں اور ایک لمحہ کے اندر مختلف چیزوں کے مابین تمیز کرلیتے ہیں۔ اپنی حیرت ناک کارکردگی کی وجہ سے ایک فرد واحد کا دماغ دنیا کی

تمام مشینوں اور تمام کمپیوٹروں پر حاوی ہے۔

انسانی جسم میں سب سے زیادہ اہم یہ عضو رئیسہ (دماغ) کھوپڑی کی ہڈیوں کے اندر محصوص ہے اور تین غشاؤں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ دماغ کی سطح اور اندرونی بافتوں کو غذائی توانائی پہنچانے کے لئے ایک مصفی مائع ان سب کو بھگوئے رکھتا ہے۔ دماغ کی سطح دیکھنے میں بکری کے بھیجے کی طرح ہوتی ہے۔ جس میں موٹے ابھار اور گڑھے ہوتے ہیں اس کی سطح پر اعصابی خلیوں کا اژدھام ہوتا ہے یہ پختہ مغز کہلاتا ہے ابھار اور گھڑوں کی بناوٹ اس لئے ہے کہ اعصابی خلیوں کے لئے کم جگہ میں زیادہ گنجائش نکل آئے۔

انسانی دماغ کرہ نما ہے جو بڑی طولی کے ذریعے آپس میں جڑے ہوتے ہیں یہ اعصابی پل موٹی ڈوری جیسا ہوتا ہے جس میں 200 ملین اعصابی ریشے ہوتے ہیں۔ ان ریشوں کے توسط سے فی سیکنڈ کئی ارب اطلاعات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر نیم کرہ چوڑائی میں ایک اور درز سے منقسم ہوتا ہے جو منشر آف رولینڈو کہلاتی ہے۔ سیدھی جانب کے دماغ نیم کرے کا اختیار جسم کے بائیں حصے پر ہوتا ہے اور بائیں نیم کرے کا قابو جسم کے دائیں حصے پر ہے بعض افعال مثلاً بول چال کی قابلیت کا مرکز اکثر و بیشتر صرف بائیں کرے کے اگلے دماغ میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ مرض دائیں کرے میں ہو سکتا ہے۔

ToreBrain

ارادی افعال کا اس خاص حصہ دماغ سے تعلق ہے۔ سوچ بچار، منطقی استدلال اور احتیاط کی خصوصیات اسی جدید دماغ میں شروع ہوئیں اس کے علاوہ بہت سی انسانی خصوصیتیں جیسے ادراک Cognition وغیرہ اسی دماغ کی خاصیتیں ہیں یہ حصہ آنکھوں کے تاثرات اور دو پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل افعال کو مربوط بناتا ہے۔

Temporal Lobe

یہ دماغی حصہ سماعت درمیانی کان اور توازن کے اثرات کو مرتسم کرتا ہے اور آنکھوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے تاثرات کو ان سے مربوط کرتا ہے۔ اس دماغ کے صدمے یا بیماری کے نتیجے میں کہے ہوئے الفاظ کو سن کر سمجھنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ یہ اثر بھی ہو سکتا ہے کہ زبان سے الفاظ کی ادائیگی تو ٹھیک رہے لیکن کہے ہوئے الفاظ کو نہ سمجھ سکے اس کے مخالف اثرات بھی

ہو سکتے ہیں یعنی مریض الفاظ لکھ تو سکتا ہو مگر پڑھ نہ سکتا ہو۔

Parieta lobe

نقشوں کو سمجھنے اور بتانے کی قابلیت ابعاد ثلاثہ یعنی جگہ اور مکان میں اپنے محل وقوع اور سمت کی شناخت اس جگہ دماغ سے متعلق ہے۔ جانبی دماغ کے صدمے سے یہ صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ جانبی دماغ کے ایک حصہ Angendr gyrus کے صدمہ سے لکھے ہوئے الفاظ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی اس کے نتیجے میں وہ روز مرہ کے مشاغل ٹھیک طرح انجام نہیں دے سکتا لکھنے پڑھنے کے ذہنی مشاغل اور ریاضی کے مسائل حل کرنے کا کام دراصل دماغ کے چاروں حصوں کے ارتباط سے انجام پاتا ہے۔

Ociptal Lobe

انسان میں بصارت یا دیکھنے کی حس سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور عقبی دماغ کا زیادہ تر تعلق اس حس سے ہے۔ عقبی دماغ میں بصارت کے اعلیٰ تر مرکز بھی ہیں۔ بنیادی رنگوں کا ادراک بھی یہیں ہوتا ہے۔

دماغ کے کئی حصے یاداشت یا حافظے سے متعلق ہیں ان کو بجلی کے تار سے چھونے پر بہت پرانی یاداشتیں عود کر آتی ہیں اس طرح یہ نتیجہ اخذ کرنے کی صریح شہادت ہے کہ حافظے کے بھی مختلف اور مخصوص مراکز مقرر ہیں۔

دماغ کے بازو کے حصے میں اگلے دماغ اور جانبی دماغ کے درمیان ایک درز ہے جو فشر آف رولینڈو کہلاتی ہے۔ اس فشر کے آگے اگلے دماغ کا جو ابھار ہے اس میں حرکتی مراکز ہیں۔ جو عضلات اور ان کے توسط سے جوڑوں کے فعل کو کنٹرول کرتے ہیں اس حصے میں انگلیوں اور خصوصاً انگوٹھے کے لئے اس کے علاوہ چہرے اور زبان کے لئے بھی ان کی اہمیت کو مد نظر بہت بڑے حصے مختص ہیں ہماری علمیت اور تہذیب بغیر زبان کے اور شاہکار تعمیراتی کام، مصوری اور مجسمہ سازی انگلیوں اور انگوٹھوں کے بغیر ناممکن ہے۔

فشر آف رولینڈو کے عین پیچھے جو جانبی دماغ کا حصہ ہے اس میں احساسات کے ادراک کے مراکز ہیں۔ عام احساسات جیسے سردی، گرمی، دباؤ اور درد مبدا عصب میں ٹھہرتے ہوئے جانبی دماغ کے اس حصے میں پہنچتے ہیں ان ادراکات کے مراکز کے مخصوص مقامات مقرر ہیں بعض دماغ جسامت

میں کافی بڑے ہوتے ہیں جیسے برطانوی سائنس دان الیور کرام ویل اور مشہور شاعر لارڈ بائرن کے دماغ جسامت میں اوسط دماغوں سے کافی بڑے تھے جن کا وزن 2200 گرام تھا جب کہ اوسط انسانی دماغ کا وزن 1400 گرام ہوتا ہے۔ لیکن بڑی جسامت والے دماغ ذہانت کے لحاظ سے اتنے اچھے نہیں ہوتے جیسے آئن سٹائن کے دماغ کا وزن 1100 تھا انسان کی پیدائش کے وقت دماغ کا حجم کل جسم کے اندر 12 فیصد ہوتا ہے بچے کی عمر ایک سال ہونے تک وزن 500 گرام ہو جاتا ہے اور زندگی کے پہلے تین سالوں میں جدید دماغ تیزی سے بڑھتا ہے ساٹھ سال کی عمر میں دماغ کا حجم بالغ انسان کے دماغ کے حجم کا 90 فیصد رہ جاتا ہے۔

دماغ میں دس ارب خلئے ہوتے ہین یہ تعداد دمیغ Cerrebellum کے علاوہ ہے جو ادراک اور وقوف سے غیر متعلق ہے اور زیادہ جسم کے توازن پر اس کا کنٹرول ہے (سیر بیلیم) میں جو عقبی دماغ کے نیچے واقع ہوتا ہے دس ارب اعصابی خلئے ہوتے ہیں Cerrebellum کے بھی دو مخروطی سیدھے اور بائیں حصے ہوتے ہیں یہ آپس میں پانس کے ذریعے جڑے ہوتے ہیں۔ Cerrebellum عضلات، حرکات اور جسم کا توازن برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہے ہر اعصابی خلیے سے متعلق دس گلائیل Glial خلئے ہیں یہ اعصابی ڈھانچہ بناتے ہیں اس کے علاوہ ہر اعصابی خلئے کے دوسرے اعصابی خلیوں سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ایک سے دس ہزار تک اعصابی مقامات ہیں۔

انسانی دماغ میں ہاں یا نہیں قسم کی معلومات اور اطلاعات رکھنے کی تعداد اور استطاعت دس کھرب ہے۔ اس قدر بڑی تعداد سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ انسانی روئے میں اس قدر اختلاف اور پیش خبری کی صلاحیت کیسے ہو سکتی ہے۔

حالیہ تجربوں سے پتہ چلا ہے کہ دماغ میں بہت چھوٹے برقی دور Electrical Circuuts ہوتے ہیں جن کا سائز ایک سینٹی میٹر کا ہزارواں حصہ ہوتا ہے اس وجہ سے اطلاعات ایک دور سے دوسرے دور تک انتہائی سرعت سے پہنچ سکتی ہے۔

اس کا امکان ہے کہ زیادہ حجم اور وزن سے دماغ میں سیکھنے کی صلاحیت زیادہ ہو اور چونکہ دماغ کا حجم بچے کی عمر کے پہلے تین سالوں میں تیزی سے بڑھتا ہے۔ اس عمر میں بچے کی تعلیمی اور اطلاعاتی ماحول کی اہمیت زیادہ اور واضح ہے اعصابی خلیوں کے باہمی اتصالی مقامات کی تعمیر میں پروٹین اور رائبو نیو کلئیک ایسڈ کے نئے سالمے moleculis بننا ضروری ہے۔ اس امر کی شہادت ہے کہ علم سیکھنے کے عرصہ میں یہ نئے سالمات مسلسل بنتے رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

اعصابی خلیوں میں جو نئی اطلاعات مرتسم اور مرقوم ہوتی ہیں وہ پروٹین اور آر این اے کے سالمات سے ہوتی ہیں۔

ایک کمپیوٹر میں اطلاعات کی کثافت یا گنجائش Density فی سینٹی میٹر دن ہزار لفظوں Bites کی ہوتی ہے۔ لیکن انسانی دماغ میں کمپیوٹر کی نسبت دس ہزار گنا زیادہ مرتسم کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ انسانی دماغ طاقت کا اتھاہ خزانہ ہے' یہ خزانہ ہر آدمی کو پیدائشی طور پر حاصل ہے۔ وہ کسب اور کوشش کے بغیر ہر آدمی کو اپنے اللہ کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ دماغ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص مفلس نہیں' کوئی بھی شخص دوسرے سے کمزور نہیں خواہ ظاہری طور پر وہ کتنا ہی مفلس کیوں نہ ہو۔

دماغ کی صورت میں سب سے زیادہ طاقتور مشین آپ کے پاس موجود ہے۔ ایسی مشین جس کے مثل کوئی دوسری چیز ساری معلومہ کائنات میں کہیں موجود نہیں۔ اس طاقتور مشینی خزانہ کو استعمال کریں اور اس کے اندر چھپے ہوئے امکانات کو بروئے کار لانے کی کوشش کیجئے اور پھر کبھی آپ کو ناکامی کی شکایت نہ ہوگی۔

دماغ کی حد

اقوام متحدہ میں کئی ایسے مترجم ہیں جو برجستہ چار زبانوں میں ترجمہ کر سکتے ہیں فلسفی جیر میستھم چار برس کی عمر میں لاطینی اور یونانی زبانیں جانتے تھے جرمن ریاضی دان ذکریا داسے نے ایک مرتبہ 200 ہندسے والے عددوں کو زبانی ضرب دی۔ عام آدمی کی قابلیت سے یہ کام اتنے ہی مشکل ہیں جتنا پانی میں چلنا۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ایک عام آدمی اپنی پوری زندگی میں اپنی ذہنی طاقت کے ایک بہت تھوڑے سے حصے سے کام لیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تربیت یافتہ ذہن جو غیر معمولی کام کرتا ہے اس کا ثبوت موجود ہے۔ اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی چوبیس گھنٹوں کے ایک کورس میں کسی چیز کو بغور دیکھے' ذہنی تشریح سے دماغی لیاقت میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔ ابتدا میں طلباء 230 لفظ فی منٹ میں پڑھتے تھے چند ہفتوں کے بعد وہ 500 الفاظ فی منٹ پڑھنے لگے اس سے ظاہر ہے کہ تربیت کرنے سے ذہن کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ذہن کو کم استعمال کرتے ہیں اور صرف وہ کچھ کرتے ہیں جس کو خود اپنے لئے اہم سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم تاریخی واقعات کے سن وصال کو تو یاد نہیں رکھتا مگر کرکٹ کے پلیئرز کے نام اس کو یاد ہوتے

ہیں۔ ہماری ذہنی لیاقت کی حد کیا ہے؟ سائنسدانوں کے لئے یہ ابھی تک نامعلوم ہے کہا جاتا ہے کہ ہمارا دماغ انتہائی پیچیدہ مشین ہے اگر ہم دنیا بھر کی چیزوں کو اکٹھا کرلیں تو وہ بھی ہمارے دماغ سے کم ہی پیچیدہ ہوں گی۔ ہمارے دماغ میں دیکھنے کی حس الگ ہے اور سننے کی الگ لیکن اگر ہم لفظ گھر کو لکھا ہوا دیکھیں یا کسی سے سنیں اس کا مطلب ایک ہی رہتا ہے۔ یعنی اگرچہ ذہنی قوتیں الگ الگ کام کرتیں ہیں مگر ہمارے دماغ میں ان کے یک جا ہونے کا کوئی خانہ ہے جو بصارت' سماعت' حافظے اور تخیل کو ملا کر ایک مفہوم ہم کو پہنچاتا ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق ہم دوران خواب بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں نارتھ کیرولینا یونیورسٹی کے ایک تجربہ میں طلباء کی ایک جماعت محو خواب تھی۔ اس وقت پندرہ سو حرفی لفظوں کی ایک ریکارڈنگ 30 بار بجائی گئی۔ طلباء کی ایک اور جماعت تھی جس کو یہ ریکارڈنگ نہیں سنائی گئی۔ صبح ان دونوں جماعتوں کے طلباء سے کہا گیا کہ ان الفاظوں کو مناسب ترتیب میں لائیں۔ جن طلباء نے دوران خواب ریکارڈنگ سنی تھی انہوں نے یہ کام دوسرے طلباء سے جلد کرلیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیند کے دوران بھی سیکھنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور نیند میں دماغ سرگرم رہتا ہے۔ میگ گل یونیورسٹی نٹریان میں ڈاکٹر پن فیلڈ کی نگرانی میں ایک عجیب وغریب تحقیق جاری ہے۔

ڈاکٹر پن فیلڈ ایک باہوش و ہواس مریض کے دماغ کے متصل حصوں کو ایک الیکٹروڈ کے ذریعے چھوتے ہیں جب وہ بصارت کے حصے کو الیکٹروڈ سے چھوتے ہیں تو مریض کو شہاب ثاقب نظر آتے ہیں۔ سماعت کے حصے پر بجلی کے لمس سے گھنٹیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ایک اور مقام پر ایسا کرنے سے مریض اپنا ہاتھ اوپر کو اٹھاتا ہے ایک اور مقام پر چھونے سے مریض کو بچپن کی یاد آجاتی ہے۔ ڈاکٹر پن فیلڈ کہتے ہیں کہ مختلف باتیں دماغ کے جس حصے میں یک جا ہوتی ہیں شاید ہم نے اسے پالیا ہے۔ یہ مقام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے کہ انسانی عقل ورطہ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔

دماغ اللہ کا دیا ہوا ایک تحفہ اور ایسی نعمت عظیم ہے کہ ہم اس کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ ہر کام کا لازمی جزو لین دین ہے جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسی عظیم نعمتیں عطا کی ہیں ہم کو بھی چاہیے کہ ہم بھی اچھے طریقے سے اس کا Response دیں (بشکریہ روحانی ڈائجسٹ)

اسلام میں عفت و حیا کا مقام

ڈاکٹر محمد عرفان مغل

اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور پیدائش و افزائش نسل کے لئے کچھ حیوانی خواہشات اور نفسیاتی جذبات رکھ دیئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اسے قوت فکر و نظر اور عقل و وحی کے ذریعے جائز اور ناجائز میں تمیز بتادی۔ جسم اور روح دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کو مناسب توجہ دے کر ان کی نشوونما کا خیال رکھنا انسان کا فرض ہے اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان صرف حیوانوں کی طرح کھاپی کر پیدائش و افزائش کے حیوانی جذبات کو تسکین دینے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دے۔

اور نہ یہ چاہتا ہے کہ وہ جسمانی ضرورتوں اور فطری جذبات کی بیخ کنی کر کے روحانی ترقی حاصل کرے۔ اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے جسمانی تقاضوں کو دین کے ماتحت رکھ کر زندگی بسر کرے۔ جب کوئی انسان اس طرح کرتا ہے کہ نفسانی خواہشات کو دین کے ماتحت رکھ کر قابو میں لاتا ہے اور روحانیت کو حیوانیت پر غالب رکھتا ہے تو اسے عفت والا کہتے ہیں۔ اور جب وہ ناشائستہ کاموں سے خوف خدا کے جذبے کے تحت گریز کرتا ہے تو اسے حیادار کہتے ہیں۔

عفت اور حیا اسلامی اخلاق کی فہرست میں روح رواں اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ نے مسلمانوں کو عفت و حیا کی تعلیم دی ہے اور اس خلق عظیم کو تمام اسلامی فضائل میں بڑا قرار دیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے "ہر دین کے لئے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے" حیا ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان بڑے سے بڑے رذائل سے بچ جاتا ہے جب تم دیکھو کہ آدمی ایسا کام جو شایان شان نہیں کرنے سے جھجکتا ہے یا شرمندگی سے اس کے چہرے پر سرخی آ جاتی ہے تو سمجھ لو کہ اس کا ضمیر زندہ ہے۔ جب کسی کو دیکھو کہ شر اور گناہ کے ارتکاب کی کوئی پروا نہیں کرتا اور نہ کسی فعل بد کے کرنے سے اس پر ندامت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"جب تو حیا کو کھو دے تو جو مرضی میں آئے کرو"

ایماندار بندوں اور پرودگار کے درمیان ایک لطیف تعلق ہے اس کا سب سے پہلا اثر تزکیہ نفس، اعمال اور اخلاق کی درستی ہے ان چیزوں کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک نفس میں ایک زندہ جذبہ نہ ہو۔ بلا جھجک حقیر چیزوں میں پڑ جانا اور صغیرہ گناہوں کی پرواہ نہ کرنا حیا کے فقدان سے ہوتا ہے اور یہ ایمان کے فقدان کی دلیل ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

"حیا اور ایمان ساتھ ساتھ ہیں جب ایک اٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے"

جب انسان اپنی حیاء کو گم کر دیتا ہے تو وہ ایک وحشی درندے کی مانند ہو جاتا ہے۔ اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے اور اس راہ میں اچھے سے اچھے جذبات کو روندتا ہے۔

وہ غریبوں کا مال غضب کرتا ہے اور اپنے دل میں رحم نہیں پاتا مخلوق خدا کو مصائب میں دیکھتا ہے اور اس پر اثر تک نہیں ہوتا۔ اس کی خود پرستی نے اس کی آنکھوں پر تاریک پردہ ڈال رکھا ہے جو انسان اس پستی تک پہنچ جائے تو سمجھ لو کہ وہ انسانیت کی حدود سے باہر ہو گیا ہے۔ حیا کا تقاضا ہے کہ انسان سدا اپنے منہ کو فحش باتوں سے پاک رکھے۔ بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے۔ اور بری باتوں کے اظہار سے شرمائے یہ بے ادبی کی بات ہے کہ انسان کی زبان سے فحش الفاظ نکلیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے اور فحش گوئی جفا سے ہے اور جفا دوزخ میں ہے"

بعض حکماء نے حیاء کے تین مراتب لکھے ہیں

(1)۔ احکام و اوامر الٰہی کی پابندی اور اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا نفسانی خواہشوں پر قابو رکھنا اور موت کو یاد کر کے بری خواہشات سے اجتناب کرنا۔

(2)۔ لوگوں کی ایذا رسانی سے باز رہنا۔

(3)۔ خود انسان کا تنہائی میں اپنے آپ سے حیا کرنا۔ اور ہر حالت میں خدا کو حاضر سمجھ کر تمام گناہوں سے بچنا۔

جس شخص نے حیا کے یہ تین مراتب حاصل کر لئے اس کے اندر تمام خوبیاں اور محاسن جمع ہو گئیں۔ وہ اخلاق فاضلہ کا بہترین نمونہ ثابت ہو گا۔

"حیا بھلائی کی جڑ ہے اور ہر عمل خلیہ میں حیا کا عنصر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

"فحش جس چیز کے ساتھ لگتا ہے اسے عیب دار کر دیتا ہے اور حیا جس چیز کے ساتھ لگتی ہے اسے زینت دیتی ہے" یہ امر بھی حیا سے ہے کہ انسان اپنے ساتھ دینے والوں کے حقوق و مراتب پہچانے اور صاحب فضل سے اس کے علم و فضل کا احترام کرتے ہوئے ملے۔ اس کی آواز سے آواز بلند نہ کرے۔ اور نہ ہی اس سے آگے قدم بڑھائے۔ حدیث میں ہے۔

"جن سے سیکھو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آو"

نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے

"اے اللہ میں اسی زمانے تک زندہ نہ رہوں کہ جس زمانے میں اہل علم کا اتباع نہ کیا جائے اور بردباد سے حیا نہ کی جائے"۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ سے پوری پوری حیا رکھو"

ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو پوری پوری حیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا بات یہ نہیں اللہ تعالیٰ سے کما حقہ حیا کرنا یہ ہے کہ سر کی حفاظت کرو اور جو کچھ اس نے محفوظ رکھا ہے اور پیٹ کی حفاظت کرو اور جو کچھ اس نے محفوظ رکھا۔ اور موت اور بڑھاپے کا خیال رکھو دیکھو جس کا مطمع نظر آخرت ہو گی۔ وہ حیات دینوی کی زینت کو چھوڑ دے گا۔ (یعنی مقصد نہیں بنائے گا)۔

اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دے گا تو جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے پوری پوری حیا رکھی

حضور ﷺ سب سے زیادہ عفت و حیاء کے پیکر تھے اور فحش باتوں سے آپ کو طبعی نفرت تھی ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پردہ نشین باحیا عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو ہمیں اس کا احساس آپ کے چہرے سے ہو جاتا۔ یعنی ناپسندگی کی وجہ سے اس کا اعلان نہ فرماتے بلکہ چہرہ ہی سے آپ کی قلبی کیفیت کا اظہار ہو جاتا۔

نبی آخر الزماں ﷺ کی صداقت ویدوں سے ثابت

قرآن میں ہندو قوم کا ذکر

قرآن پر الزام

مولانا شمس نوید عثمانی

بہت سے ہندو مخلصین جو اسلام سے متاثر ہیں اور قرآن کی عظمت کے معترف بھی ہیں ان کو یہ شکایت کرتے ہوئے ہم نے سنا ہے کہ قرآن میں دیگر قوموں کا ذکر تو ہے لیکن ہمارا ذکر قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ ان کی شکایت کا جواب جب ہم طرح طرح کی تاویلوں سے دینے کی کوشش کرتے ہیں تو ذرا غور کیجئے کہ کہیں ہم خود بھی غیر ارادی طور پر یا غیر محسوس طریقے سے قرآن پر یہ الزام عائد کرنے میں شریک تو نہیں بن رہے ہیں؟

شری گنگا پرشاد اپادھیائے نے عربی میں قرآن شریف کا مطالعہ کر کے اردو زبان میں مصابیح الاسلام کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس کا ایک حوالہ ہم نقل کر رہے ہیں۔

"قرآن شریف میں کئی جگہوں پر تو یہ کہا ہے کہ خدا مختلف قوموں کی ہدایت کے لئے مختلف نبیوں کو بھیجتا ہے لیکن خصوصاً" کسی کا تذکرہ نہیں ہے۔ تماشے کی بات یہ ہے کہ جو پرانی قومیں ہیں اور جن کی تہذیب کی تواریخ ہزاروں سال پرانی ہے جیسے ہندوستان، چین وغیرہ ان کا کچھ بھی اشارہ تک نہیں گویا اس الہام سے جس کو قرآن یا کلام مجید کے نام سے پکارا جاتا ہے عام انسانی جماعت کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں ...." مصابیح الاسلام ص 43 مطبوعہ ٹریکٹ و بھاگ، آریہ سماج چوک الہ آباد 1963ء مصنف شری گنگا پرشاد اپادھیائے

بے شک قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تھے لیکن اگر یہ صرف 1400 سال پرانی کتاب نہیں ہے بلکہ رہتی دنیا تک کے حالات و واقعات کا اس میں ذکر ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قوم کا اس میں ذکر نہ ہو جو دنیا کی قدیم ترین مذہبی قوم ہے اور نزول قرآن سے ہزاروں سال قبل سے آج تک بہت بڑی تعداد میں دنیا میں موجود ہے۔ یہ قرآن پر ایک الزام ہے۔ کیا ہم نے کبھی ہندو قوم کا نام یا تعارف قرآن میں تلاش کرنے کی کوشش کی؟ ٹھیک ہے۔ قرآن میں لفظ ہندو کہیں نہیں ملتا،

لیکن کیا لفظ عیسائی یا کرچن ملتا ہے؟ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ عیسائیوں کا بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے؟ قرآن نے عیسائیوں کے لئے لفظ نصاریٰ استعمال کیا ہے دنیا کا کوئی عیسائی اپنے آپ کو نصاریٰ نہیں کہتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ نصاریٰ قرآن میں ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو آج اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ جو قوم آج اپنے آپ کو ہندو کہتی ہے اسے کسی اور نام سے قرآن حکیم نے موسوم کیا ہو۔

قرآن میں سب قوموں کے ناموں کی تحقیق ہی نہیں ہوئی

قرآن پاک میں بہت سی ایسی قوموں کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں مفسرین آج تک متعین نہیں کر سکے جیسے اصحاب الرس اور قوم تبع خصوصا" صائبین کا ذکر تو جگہ جگہ کلام پاک میں مومنین یہود اور نصاریٰ کے ساتھ اس حیثیت سے کیا گیا ہے جیسے یہ بہت بڑی قوم یا دنیا کے منفرد گروہوں میں سے ایک ہوں مثلا"

ترجمہ :- بے شک جو لوگ مومن ہیں اور جو "یہودی" ہیں اور "نصاری" ہیں اور "صائبین" ہیں ان میں سے جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ان کیلئے ان کے رب کے پاس اجر ہے نہ ان پر کوئی خوف آئے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ 62)

اس آیت میں صائبین کا ذکر مومنین' یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ قرآن پاک میں جہاں جہاں صائبین کا ذکر ہے انہیں بڑی بڑی قوموں کے ساتھ ہے۔

اتنی اہمیت کی حامل قوم جس کا خصوصی تذکرہ قرآن پاک نے دنیا کی بڑی بڑی قوموں کے ساتھ ہی کیا ہے اس کو ہم آج تک تلاش نہیں کر سکے۔ حالانکہ انہیں مسلمانوں' یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح آج بھی اور آئندہ آنیوالے زمانے میں بھی دنیا کی نمایاں مذہبی قوموں میں سے ہونا چاہیئے۔ اگر ہم غور کریں تو تلاش کا دائرہ بہت محدود ہو گیا ہے۔ مسلمان' عیسائیوں اور یہودیوں کے علاوہ دنیا میں کتنی بڑی بڑی مذہبی قومیں اور ہیں؟ انہیں میں سے صائبین کو ہونا چاہیئے۔ اب ذرا ایک اور زاویے سے تلاش کریں۔

قرآن مجید میں شریعت نافذ کرنے والے پیغمبران میں خصوصی اہمیت کے حامل جن پیغمبروں کا ذکر خصوصی اہمیت کے ساتھ بار بار آیا ہے۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ

السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ہیں مثلاً دیکھئے۔

ترجمہ:۔ "اور جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ ﷺ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا"۔ (سورہ احزاب 7)

ترجمہ:۔ "اللہ نے تم لوگوں کے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ ﷺ کے پاس وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا (سورہ شوریٰ 13)

ہم دیکھتے ہیں کہ کلام پاک میں جن بڑی بڑی قوموں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے وہ مسلمان، عیسائی، یہودی اور صائبین ہیں اور جن صاحب شریعت رسولوں کا تذکرہ جگہ جگہ ایک ساتھ آیا ہے وہ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے مسلمان حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب قوم ہیں لیکن صائبین؟ ہم نہیں جانتے۔

پھر سوچئے! حضرت محمد ﷺ کے امتی مومنین ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہودی اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم؟ کسی کو معلوم نہیں۔ کہیں انہیں کی قوم کو تو صائبین نہیں کیا گیا ہے؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں یہودی، عیسائی اور مسلمان سب شامل ہیں کیونکہ سب ان پر ایمان لاتے ہیں اور دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو ایمان لائے اور ان کے بعد آنے والے کسی اور نبی پر ایمان نہ لائی ہو)۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہی صائبین ہیں

تفسیر ابن کسیر میں عبدالرحمٰن بن زید کا یہ قول درج ہے کہ صائبین اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر بتاتے تھے۔

صائبین کے بارے میں حضرت عمرؓ، امام ابو حنیفہؒ، امام اسحاقؒ، ابوالزنادؒ، قرطبیؒ، علامہ ابن

تیمیہ ؒ، امام غزالی ؒ، امام راغب ؒ، معالم ؒ، ابن جریر ؒ، ابن کثیر ؒ، امام سہیلی ؒ، علامہ شوکانی ؒ، قاضی بیضادی ؒ، عبدالماجد دریابادی ؒ اور سید سلیمان ندوی ؒ کے مختلف اقوال اپنی تشریحات کے ساتھ ہم ذیل میں اکٹھا کر رہے ہیں۔

1۔ عراق کے اس مقام پر رہنے والے لوگ تھے جہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام پیدائش ار اور ہندوستانی تہذیبوں، ہڑپا اور موہن جوداڑو کے کھنڈرات کی کھدائی سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دونوں تہذیبوں کے درمیان بہت قریبی روابط تھے)

2۔ اہل کتاب تھے (یہ تو قرآن میں صائبین کے تذکرے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انکا ذکر جگہ جگہ آسمانی کتاب رکھنے والی قوموں کے ساتھ ہی آیا ہے۔ صائبین کے پاس حضرت نوح علیہ السلام کون سے صحیفے لائے اس پر ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے)

3۔ لا الہ الا اللہ کہتے تھے لیکن مشرک تھے (اس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے کہ ہندو مذہب کا کلمہ بھی لا الہ الا اللہ ہے)

4۔ یمن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے (یہ بات بھی تہذیبوں کے مطالعہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ ہندوستانی مذہب کے لوگ بہت بڑی تعداد میں یمن میں آباد تھے۔ وہاں آج بھی شیام اور ہند نامی قلعے موجود ہیں)

5۔ صائبین عجمی (غیر عرب) نام ہے عربی نہیں

6۔ فرشتوں کی پجاری قوم تھی (ہندو مذہب میں بہت سے دیوتاؤں کا تصور فرشتوں کا تصور ہے اور وہ ان کی پوجا کرتے ہیں)

7۔ جماعت ستارگان اور نجوم کے معتقد تھے (اقوام عالم میں شاید کسی قوم کو نجوم میں اتنی دلچسپی نہیں رہی ہے اور نہ ہے جتنی ہندوستانی ہندو قوم کو ہے)

8۔ ستاروں کی پوجا کرنے والے (مختلف ستاروں اور سیاروں کی پوجا کا تصور موجودہ ہندو مذہب کا جزو ہے)

9۔ آگ کی پوجا کرنے والے (آگ کی پاجا ہون، شادی، ارتھی وغیرہ ہندو قوم میں رائج

ہے)

10۔ زرتش ایرانی النسل (یہ لوگ بھی آگ کے پجاری تھے اور ہندو بھی ہیں یہ بھی آرین تھے اور ادھر سے ہی آرین ہندوستان میں آئے)

11۔ مذہبا" دن میں کئی مرتبہ غسل کرنے والے (مذہبا" دنیا میں غسل کی اہمیت شاید سب سے زیادہ ہندو مت ہی میں ہے۔ ان کی کوئی پوجا اشنان کے بغیر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مختلف موقعوں پر اجتماعی اشنان بھی ہوتے ہیں)

12۔ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے (یہی ہندو قوم دین اسلام قبول کرے گی۔ یہ ہم پچھلے باب میں ثابت کر چکے ہیں)

13۔ مائل ہونے اور جھکنے والے (تبدیلی قوم کے لئے احادیث میں اسی قوم کی طرف اشارہ ہے۔ یہ پچھلے باب میں آچکا ہے)

اتنے متضاد اور مختلف تصورات صائبین کے بارے میں ہمارے مفسرین و علماء کے ہیں اور بہت تعجب کی بات ہے کہ وہ سب کے سب ہندو قوم پر فٹ ہوتے ہیں چاہے مختلف ادوار میں مختلف مفسرین الگ الگ قوموں کو صائبین سمجھتے رہے ہوں لیکن اس دور میں یہ سب خصوصیات اس قوم میں ایک ہی جگہ پائی جاتی ہیں ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا خصوصیات یا عقائد رکھنے والی تمام جماعتیں ماضی میں نقل مکانی کر کے ہندوستان میں اکٹھی ہو چکی ہوں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اب بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش اس امر میں باقی ہے کہ صائبین کون ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پچھلے ادوار میں مختلف گروہوں پر صائبین کی تعریف صادق آتی ہو۔ لیکن کم از کم موجودہ دور میں صائبین سے مراد کون سے قوم ہے۔ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

بات ناممکن رہ جائے گی اگر ہم یہاں ذکر نہ کریں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی صائبین کو آرین نسل ہی مانتے تھے۔ ثبوت کے طور پر ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل حوالے۔

=..... مسیح علیہ السلام ضرور ایسے بزرگ تھے جنہوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دیگر صائبین یا آرین قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی (رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص 304)

"..... ایران اس زمانے میں آرین یعنی صابی قوموں کا مرکز بن چکا تھا۔ اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی (رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ ص 310 مضمون از مولانا عبید اللہ سندھی)

اور مولانا سید ندوی کی گواہی بھی دیکھ لیجئے کہ وہ صائبین کو قدیم ہندوستانی باشندے تسلیم کرتے تھے۔

"..... مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں اپنی اپنی مزاجی کیفیت کی بنا پر وہی صورتیں متا بعتہ شبہ اہل کتاب میں بھی ہیں جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف کرایا ہے اور وہ مجوس اور صائبین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں

آخر میں یہ بھی سمجھ لیں ایک بہت ہی قلیل تعداد کا فرقہ عراق اور شام میں پایا جاتا ہے جو اپنے آپ کو صبی کہتا ہے یہ لوگ حضرت یحییٰ کے بعد کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے حضرت عیسیٰ کو بھی نہیں مانتے۔ حضرت یحییٰ کے پہلے کے انبیاء کو مانتے ہیں اس کا امکان ہے کہ قرآن نے صائبین ان کو بھی کہا ہو لیکن سید سلیمان ندوی" جیسے محقق اور مولانا عبید اللہ سندھی" جیسے ہر ملک میں گھومنے والے اہل نظر نے صائبین ہندوستانی نسل کے لوگوں ہی کو مانا ہے حالانکہ ان دونوں حضرات کے علم میں یہ فرقہ ضرور ہو گا۔ اس کے علاوہ اس صبی فرقے میں سوائے اہل کتاب ہونے کے اور کوئی وہ خصوصیت نہیں پائی جاتی جو کو مفسرین علماء نے صائبین سے منسوب کیا ہے اور جن کو اسی باب میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

ہماری رائے میں قرآن کی مختلف اصطلاحوں کا اطلاق چونکہ کبھی کبھی بیک وقت مختلف گروہوں کیلئے اور کبھی کبھی مختلف زمانوں میں مختلف گروہوں کے لئے بھی ہوتا ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس صبی فرقہ پر بھی قرآنی اصطلاح صائبین کا اطلاق ہو لیکن ہندوستان مذہبی قوم کا صائبین کے ذیل میں آنا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

کلام اقبالؒ

عبدالرشید ساہی

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں صوفی اور ملا دونوں میرے جذبات کی گہرائی کا اندازہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دونوں دنیا طلبی میں منہمک ہیں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بیگانہ ہیں وہ کیا جانیں محبت کسے کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں حالات حاضرہ سے بے خبر ہیں انہیں مطلق علم نہیں کہ اسلام پر کس کس طرح سے اور کس کس رنگ سے حملے ہو رہے ہیں کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے حجروں میں بیٹھے ایک ہزار سال پہلے کے علوم پڑھ رہے ہیں انہیں یہ احساس اور علم بالکل نہیں ہے کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آج دنیا میں اسلام کو کس طرح پیش کرنا چاہیے یا آج دنیا والے کن مسائل میں مبتلا ہیں اور کن مصائب سے دو چار ہیں اور اسلام ان کا کیا حل پیش کرتا ہے اسلام کو خدا تعالیٰ نے مکمل فرما دیا اور اس کو قیامت تک کے انسانوں کے لئے ذریعہ نجات اور سرمایہ افتخار قرار دیا اس میں قیامت تک کے لئے فلاح اور ترقی کے قوانین درج ہیں۔

قرآن مجید صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانون کے لئے ہے۔ خدا صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا خدا ہے۔ خاتم النبی ﷺ صرف عرب یا مسلمانوں کے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے رسول ہیں۔ قرآن مجید سب دنیا کی مشترک جائیداد ہے اس کا قانون واضح ہے اس کا مطلب آسان ہے اس لئے جو بھی قوم اس کے فرمودات پر عمل کرے گی وہی سب قوموں پر غلبہ حاصل کرے گی۔ جوں جوں انسانی جماعت قوت پکڑتی جائے گی اس کے انسانوں کے دماغ کے اوصاف خدا کے اوصاف کے حامل ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ وہ روح جو خدا نے اس کے اندر پھونکی ہے اپنی پوری قوت

سے ظاہر ہوتی جائے گی اور وہ خدا کی صفات کا مماثل بنتا جائے گا۔

2

کب تک رہے محکومی انجم میں مری خاک
یا میں نہیں، یا گردش افلاک نہیں ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان ایک عرصہ سے جوتش، نجوم اور ستارہ پرستی اور اس کے پیدا کردہ توہمات میں مبتلا ہیں یعنی وہ ایک عرصہ سے ستاروں کی غلامی کر رہے ہیں اور ایک عرصہ سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو ہماری تقدیر میں لکھا ہے وہی ہو گا پھر ہمیں جدوجہد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان کی پوری زندگی اس کے حیطہ اقتدار سے باہر ہے لہٰذا اسے کوشش کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی جدوجہد سے حالات نہیں بدل سکتے علامہ اقبال فرماتے ہیں یہ سب خیالات بالکل غیراسلامی ہیں اور اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ جب تک زندہ ہوں ان غیراسلامی عقائد کے خلاف جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ ان عقائد باطلہ (گردش افلاک) کا قلع قمع نہ کردوں یا خود اس کوشش میں فنا ہو جاؤں

دست از طلب ندارم تاکار من بر آید
یا دل اسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

علامہ اقبالؒ کے نزدیک زندگی جدوجہد کا ہی دوسرا نام ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کرنے کے بعد زمین میں اس لئے اتارا ہے کہ وہ مسلسل سعی اور جدوجہد سے اپنے لئے بہتر سے بہتر مقام پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کی بدولت اس کائنات کو تسخیر کرے۔

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی
تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

مسلمان جب خدائی ضابطوں اور حکموں کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو گویا وہ اپنی تقدیر کے فیصلے خود رقم کرتا ہے اور دنیا و آخرت میں فلاح کا مقام حاصل کرتا ہے۔

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
مہ و ستارہ ہیں بحر وجود میں گرداب

(3)

بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لئے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مسلمان کا وجود باطل کے لئے پیغام فنا ہے جس طرح بجلی، جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اسی طرح مسلمان "خرمن باطل" یعنی ہر غیر اسلامی نظام اور غیر اسلامی تعلیم کو پھونک دینے کے لئے پیدا ہوا ہے اس کا کام ہی یہ ہے کہ باطل کو مٹا دے ارشاد ربانی ہے

قال جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا O اے ہمارے نبی مکرم و محترم ﷺ اعلان فرما دیجئے کہ قرآن آگیا (چونکہ قرآن باطل کے لئے پیغام موت ہے) اس لئے باطل مٹ گیا اور سچائی کی بات تو یہ ہے کہ باطل کی ذات میں فنا پذیری داخل ہے وہ حق کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا باطل مٹ جانے کے لئے ہی پیدا ہوا ہے نبی مکرم و محترم ﷺ کی تریسٹھ سالہ عملی زندگی ہمارے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس وقت آپ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو ہر طرف جہالت کے اندھیروں کا راج تھا وہ کون سی برائی تھی جو اس وقت عربوں میں موجود نہ تھی لیکن دوسری طرف آپ کی تن تنہا ذات شمع حق کو لے کر اس دور کے اندھیروں کو روشنی میں بدلنے کے لئے سرگرم عمل ہوئی تو کافر ازراہ مذاق کہا کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) یہ دیوانہ اور سودائی ہے بھلا یہ تن تنہا پورے عرب کا کیسے مقابلہ کر سکے گا لیکن دراصل وہ خود دیوانے سودائی اور عقل کے اندھے تھے آپ ﷺ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات تھی جو کہ تمام جہانوں اور کائناتوں کا مالک و خالق اور بلا شرکت غیرے حاکم اعلیٰ ہے صرف اور صرف اسی کی ایک ذات ہے جو کسی کی محتاج نہیں باقی

سارے اس کے محتاج ہیں وہ تمام اسباب کا واحد مالک ہے۔ پھر زمانہ نے خود دیکھا کہ عرب کے وحشی اور گنوار انسان زمانہ کے امام اور حکمران بن گئے تہذیب و تمدن کے علمبردار بن گئے مظلوموں کے غمگسار اور غمخوار بن گئے بیماروں اور لاچاروں کے مسیحا بن گئے یہ سب کیسے ہوا؟ یہ خدا کے فضل و کرم اور نبی مکرم و محترم کی نگاہ رحمت کا فیض تھا۔ آج بھی اگر ہم سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جائیں تو ہماری بیماریاں' پریشانیاں' دکھ تکلیفیں اور غم دور ہو سکتے ہیں نسخہ کیمیا قرآن و حدیث کی صورت میں موجود ہے مگر ہم اس سے راہنمائی حاصل نہیں کر رہے ہم اندھا دھند مغربی یلغار کی نذر ہو رہے ہیں ہم نے ایک خدا کو چھوڑ کر امریکہ کی غلامی اختیار کر لی ہے رب کعبہ کی قسم ایمانی قوت کے سامنے ان ایٹمی طاقتوں کی کیا حیثیت ہے۔

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

علامہ اقبال فرماتے ہیں ایک رات میں نے اللہ کے حضور بہت رو کر عرض کی اے خدایا!! مسلمان کیوں دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں کیوں ان پر اس جہان میں عرصہ حیات تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اقبال! کیا تو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ تیری قوم کے افراد اپنے سینوں میں دل تو رکھتے ہیں لیکن وہ ہمارے محبوب ﷺ کی محبت سے خالی ہیں پھر انہیں سربلندی کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے عزت اور سربلندی کے حصول کے لئے اتباع رسول ﷺ کا حکم صادر فرمایا ہے اسلام محبوب خدا کی اداؤں پہ مر مٹنے کا نام ہے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

(4)

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

"صاحب لولاک" اقبال کے اسلوب فکر کی بہترین مثال ہے لولاک سے ذات محمدی مراد ہے

لولاک لما خلقت الافلاک اللہ کریم نے نبی مکرم و محترم ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ عالم کو حضور اقدس کے تقدس میں پیدا فرمایا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں زمین کی وراثت کے حقدار اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں یہ مصرع اسی قرآنی آیت سے ماخذ ہے ان الارض یرثھا عبادی الصلحون (زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے)اب قرآن حکیم کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ خدا کے صالح بندے تو وہ ہیں جو زمین پر دھیمے دھیمے چلتے ہیں اور وہ جو راتوں کو بھی خدا کے حکموں کی تعمیل میں سر بسجود ہیں اور وہ جو خدا سے مانگتے رہتے ہیں اور وہ جو اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اعتدال سے اپنا گذران کرتے ہیں وہ اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں' جو بے ہودہ اور بے نتیجہ باتوں سے پرہیز کرتے ہیں' جو زکوۃ پر پورے طور سے عامل ہیں' جو اپنی شرمگاہوں کی ماسوا اپنی بیویوں اور زر خرید لونڈیوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ جو عہد کے پکے ہیں انہی خصوصیات کے حامل اللہ کے صالح بندے ہوتے ہیں اور یہی خدا تعالیٰ کی زمین کے حقدار اور وارث ہیں مندرجہ بالا خصوصیات کا عملی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات نے پیش کیا اسی لئے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتباع رسول ﷺ کا حکم صادر فرمایا۔ صالحیت کا رنگ صرف سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی یعنی کامل اتباع کی بدولت پیدا ہو سکتا ہے اور اتباع رسول ﷺ' عشق رسول ﷺ کے بغیر ناممکن ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

حدث اکبر کے احکام

حافظ محمد یاسین

حدث اکبر اس حالت کو کہتے ہیں جب غسل فرض ہو جائے۔

(1)۔ حدث اکبر کی حالت میں مسجد کے اندر داخل ہونا حرام ہے ہاں اگر کوئی شدید ضرورت ہو اور داخل ہوئے بغیر کام نہ چل سکتا ہو تو تیمم کر کے داخل ہونے کی اجازت ہے مثلاً"
کسی کی رہائش گاہ کا دروازہ ہی مسجد کے اندر ہے اور باہر نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اور پانی کا انتظام بھی صرف مسجد ہی میں ہے' باہر نہ کوئی نل ہے نہ کنواں اور نہ تالاب وغیرہ تو ایسی صورت میں تیمم کر کے مسجد میں جانا جائز ہے' لیکن اپنا کام کرتے ہی فورا" باہر آجانا چاہیے۔

(2)۔ حدث اکبر میں بیت اللہ کا طواف کرنا حرام ہے۔

(3)۔ حدث اکبر میں قرآن پاک کی تلاوت کرنا حرام ہے' چاہے ایک آیت سے کم ہی پڑھنا ہو۔

(4)۔ قرآن پاک کا چھونا بھی حرام ہے' البتہ ان شرائط کے ساتھ چھونے کی اجازت ہے جن شرائط کے ساتھ حدث اصغر میں چھونا جائز ہے۔

(5)۔ جو چیزیں حدث اصغر میں ممنوع ہیں وہ سب حدث اکبر میں بھی ممنوع ہیں۔ مثلاً" نماز پڑھنا' سجدہ تلاوت کرنا' سجدہ شکر کرنا وغیرہ۔

(6)۔ حدث اکبر کی حالت میں عید گاہ جانا بھی درست ہے اور دینی تعلیم و تربیت کے مراکز میں جانا بھی درست ہے۔

(7)۔ قرآن پاک کی ان آیتوں کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ جن میں خدا کی حمد و تسبیح ہو یا دعائیں ہوں' جیسے

الله لا اله الا هو الحی القیوم لا تاخذه سنته ولا نوم له ما فی السموت وما فی الارض یا

ربنا اتنا فی الدنیا حسنته وفی الاخره حسنته وقنا عذاب النار وغیرہ

(8)۔ سورہ فاتحہ بھی دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے اور دعائے قنوت پڑھنا بھی جائز ہے۔

(9)۔ حیض و نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

(10)۔ حیض و نفاس کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا حرام ہے۔ البتہ صحبت کے علاوہ دیگر امور زوجیت اختیار کرنا بالکل جائز ہیں۔ بلکہ اس حالت میں عورت کے ساتھ میل جول رکھنے سے پرہیز کرنا مکروہ ہے۔



بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔